سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۳۴

تذکرۂ شعرائے اردو

مؤلفہ

میر حسن دہلوی مصنف مثنوی "بدر منیر"

بہ تصحیح و تنقید

جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

باہتمام

محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء

مقدمہ

تذکرۂ شعرا مؤلفہ میر حسن دہلوی

”بدرِ منیر“ نے میر حسن دہلوی کے نام کو آسمانِ شہرت پر مہرِ منیر بنا کر روشن کیا۔ روشنیِ طبع نے میر صاحب کو یہ مضمون پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ مثنوی مذکور کی نسبت کہتے ہیں ؎

رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام

”مثنوی میر حسن“ کو جو قبولِ عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ جو پڑھ سکتے تھے اُنھوں نے پڑھی۔ جو پڑھ نہیں سکتے تھے اُنھوں نے پڑھوا کر سُنی۔ جاہلوں کا بھی یہ عالم رہا کہ جو دو چار شعر یاد تھے اُن کو پڑھتے تھے اور سر دُھنتے تھے۔ چاندنی رات میں ماہِ کامل کی روشنی بہت سے تاروں کو نگاہ سے اوجھل کر دیتی ہے یہی حال ”بدرِ منیر“ کی آب و تاب کے سامنے میر حسن کے باقی کلام کا ہُوا۔ آبحیات میں آزاد نے لکھا ہے۔ دیوان اب نہیں ملتا۔ ”تذکرہ“ بھی طاقِ نسیاں کی نذر ہو چکا تھا۔ بالآخر وقت آیا کہ کلامِ حسن کا حُسنِ سادہ رو نمائے عالم ہوا اہلِ ادب کو مژدہ کہ ”انجمن ترقیِ اُردو“ کلیات اور تذکرہ دونوں کی اشاعت پر آمادہ ہے۔ اوّل تذکرے کی باد ہوئی ہے۔

تذکرۂ شعرا | یہ تذکرہ میر حسن نے اُس زمانہ میں لکھا ہے جب کہ دلّی کو خیرباد کہکر فیض آباد میں

he records that Fasih ... must be confused
died in 1192 ... after this date. 2

I would put the date ... 1780 ... 1194 A

سکونت پزیر تھے چنانچہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں "در شروعِ جوانی از گردشِ روزگار ... بطرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم" تذکرہ ہذا میں میر صاحب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے اس میں "مثنوی رموز العارفین" ہے۔ "گلزارِ ارم" نہیں ہے۔ رموز العارفین کا سال تصنیف ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا سنہ ۱۱۹۲ھ (1778)۔ رموز العارفین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشہور ہو چکی ہے واضح رہے کہ تذکرہ ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا اور آج اس کی تالیف کو ڈیڑھ سو برس کا زمانہ گزر چکا۔ رسمِ قدیم کے مطابق یہ تذکرہ فارسی زبان میں بہ رعایتِ حروفِ تہجی لکھا گیا ہے۔ ہر ردیف میں تین دَور قائم کیے ہیں۔ متقدمین۔ متوسطین۔ متاخرین "دورِ متقدمین" فرخ سیر سے پہلے۔ اس دَور میں زبانِ ریختہ کا رواج زبان دکن سے ہوا۔ "دَورِ متوسطین" آخر عہدِ فرخ سیر سے ابتداء عہدِ محمد شاہ تک "متاخرین" اس کے بعد سے زمانۂ تالیف تذکرہ تک اب سب متقدمین ہیں۔ رہے نام اللہ کا۔

یہ تذکرہ شاہد ہے کہ مؤلف کو عبارت آرائی و رنگیں بیانی میں عمدہ دستگاہ حاصل تھی۔ وہ سادہ و پرکار طرزِ عبارت جو میر تقی میر کے تذکرہ کی ہے اس میں نہیں۔ میر کی یہ ادبی قوت خانِ آرزو کی تربیت کا ثمرہ تھی۔ ایک مثال سن لو۔ میر تقی ایک موقع پر لکھتے ہیں "خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تحریر نگنجد" میر حسن اسی موقع پر لکھتے ہیں "خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تحریر و تقریر نگنجد" ارباب ذوقِ سلیم نے محسوس کیا ہوگا کہ لفظ کے اضافہ نے زورِ کلام کم کر دیا۔

اس تذکرہ کے زمانۂ تصنیف کی ایک خاص خوبی ہے اور وہ یہ کہ وہ ایسے زمانہ میں تصنیف ہوا ہے کہ دورِ سوم ختم اور دَورِ چہارم شروع ہو رہا تھا۔ اس طرح مؤلف نے دونوں دَور کے شعرا کے چشم دید حالات قلمبند کیے ہیں۔ میر۔ سودا۔ خواجہ میر درد اور حضرت میرزا مظہر کو دیکھا اسی کے ساتھ مصحفی۔ انشا اور جرأت کو۔ دَورِ سوم اور دورِ چہارم کے طرزِ کلام کا ڈانڈا جہاں ملا ہے وہ اس تذکرہ کے انتخابی اشعار سے بخوبی واضح ہے۔ خوبی خاص یہ ہے کہ ایک

D. Sauda died at the age of 70 in 1195 (1781 A.D.)

پاکیزہ مذاق اُستاد کا قلم نکتہ سنجی کے ساتھ انصاف کی داد دے رہا ہے۔ اس لئے اہلِ کمال کے خط و خال اس آئینہ میں ہُو بہو ہویدا ہیں۔

اگرچہ عبارت کا معتد بہ حصہ رنگ آمیزی کی نذر ہو جاتا ہے تاہم ہمعصرانہ قیمتی معلومات بھی قلم سے نکلتی جاتی ہیں جس سے شاعر کے اندازِ کلام طرزِ زندگی اور صورت شکل پر معنی آفریں روشنی پڑ جاتی ہے۔ مثلاً میر تقی کے حسبِ ذیل ضروری حالات زیرِ نظر آجاتی ہیں۔ اُن کا خانِ آرزوؔ کا بھتیجا اور شاگرد ہونا۔ وطن اکبرآباد۔ اس تذکرہ کی تحریر کے وقت میر تقی کا سن ساٹھ برس کا تھا اور دلّی میں مقیم تھے۔ جوان محمد شاہی تھے۔ میر تقی کا "تذکرہ متقدمین و معاصرین" یادگارِ زمانہ تھا۔ رُباعی۔ غزل۔ قصیدہ۔ ہجو۔ مدح۔ سب پر قدرت ہے۔ گرم بازاری کمالِ غزل کی وجہ سے تھی جس کی شان یہ تھی کہ "بسیار باندازِ وطرزِ ازومی تراود" میر صاحب کا صاحبِ دماغ ہونا "بسیار صاحبِ دماغ ست و دماغِ او می زیبد" عبارت آرائی میں یہ فقرہ بھی ہے: "شعرش چوں دُرِ خوشاب واندازِ سخنش بے حساب" سوداؔ۔ حالات وصفات۔ مولد شاہجہان آباد۔ تحریرِ تذکرہ کے وقت سن کا اندازہ ستر برس کا تھا۔ نوکری پیشہ۔ سرکار نواب شجاع الدولہ میں سلسلۂ شاعری سرفراز تھے۔ علمِ موسیقی میں مہارت تھی۔ میر حسن اکثر اُن کی خدمت میں جاتے تھے۔ اور وہ بہت کرم فرماتے تھے۔ خوش خلق۔ نیک خو۔ یار باش تھے۔ شاعری کی زندگی اُن کی ذات سے وابستہ تھی۔ طرزِ سخن "میدانِ بیان او وسیع۔ طرزِ معانی او بدیع ... ... در قصیدہ وہجو یدِ بیضا دارد۔ قصائد عذبِ دلاویز۔ وبیانِ ہجو بلند۔ نظمش طرب انگیز۔"

سوزؔ۔ حالات وصفات۔ سید ضیاء الدین بخاری کے بیٹے۔ قطب عالم گجراتی کی خاندان سے۔ فقیہ۔ درویش منش۔ خوشنویس۔ دانشمند۔ فطرت نہایت بلند۔ علوم تیراندازی میں ایک رسالہ زوردار لکھا تھا۔ رنگِ زمانہ سے بددل ہو کر گوشہ نشین تھے۔ اشعار اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ بیان میں نہیں آسکتے۔ طرزِ سخن "در عہدِ خود از جملہ اوابند اں ممتاز۔ طرزِ ادائیے ملک اوبہت۔"

جرأت۔ حالات وصفات۔ وطن اصلی شاہجہاں آباد۔ مقامِ نشو و نما فیض آباد۔ میاں حسرت کے شاگرد جوانِ چیچک رُو۔ خوش خلق۔ نیک دریں نوجوانی بسیار بحلم و حیا بسرمی برد فن موسیقی اور ستار نوازی میں ایک حد تک قدرت۔ طبیعت بہت دردمند اور گداز۔ شوق شعر حدِ جنوں تک پہنچا ہوا۔ کہ کسی وقت فکرِ سخن سے خالی نہیں۔ طرزِ سخن وے کلام نمکیں۔ بیانِ شیریں۔ گلزار معانیش چوں میوۂ آرزو شاخ در شاخ“ اس تذکرہ کا نام مؤلف نے نہیں لکھا۔

مؤلف تذکرہ کے حالات مسلمانوں کے عہدِ حکومت نے جن شہروں کو نازونعمت کا مخزن اور علم و کمال کا معدن بنایا تھا اُن میں خراسان کا دارالسلطنت ہرات بھی تھا۔ یہی مَردُم خیز شہر میر حسن کے خاندان کا بھی وطن تھا۔ میر امامی وہاں سے ہندوستان میں آئے جو میر حسن کے پردادا تھے ہفت قلم تھے اور فاضل متبحر۔ بلحاظ علم و فضل دلی میں آکر ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ یہ لکھکر میر حسن کہتے ہیں کہ میری شاعری آبائی ہے نہ آج کی۔ ہر چند کہ میر انیس نے اپنے لئے پانچویں پشت مداحی کا دعویٰ کیا ہے ع

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

مگر میر حسن کی شہادت کی بنیاد پر چھٹی پشت تھی۔ میر نفیس نے کس نفاست سے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے ع

شمشیر فصاحت پہ ہے یہ ساتواں صیقل

سات پشتیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ میر امامی
۲۔ خواجہ عزیز اللہ
۳۔ میر ضاحک
۴۔ میر حسن
۵۔ میر خلیق
۶۔ میر انیس
۷۔ میر نفیس

آمدم بر سرِ مطلب۔ میر حسن کا نام غلام حسن تھا۔ اُن کے والد میر غلام حسین ضاحک نے دلّی میں نشو ونما پایا۔ آخر زمانہ میں فیض آباد میں جا کر سکونت اختیار کی۔ تحریرِ تذکرہ کے وقت زندہ تھے اور تیس برس سے ترکِ روزگار کر کے آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ عالم وفاضل تھے۔ ناظم وناثر۔ ہزل دوست مزاج پسند۔ غزل چالیس پچاس شعر سے کم نہ ہوتی تھی۔ فنِ موسیقی میں بھی دخل تھا۔ قد میانہ۔ رنگ بھورا۔ داڑھی اوسط۔ ریش بچہ منڈا ہوا۔ سبز عمامہ بطرزِ عرب باندھتے تھے۔ بڑا سا جُبّہ پہنتے تھے۔ فارسی اور ریختہ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے قصائد فارسی کی تعریف تذکرۂ شعرائے ہند کے مؤلف نے کی ہے۔ متین کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

درپیش اگر روزِ اجل آہ نہ ہوتا قصّہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہ ہوتا

اُس آن تھمے آنسو جس آن کہ دل ڈوبا تب جان سی ہم اُٹھے جب دیدۂ نم بیٹھے

رباعی درمنقبت

کشّافِ حقایق و نکاتِ توحید آں راکبِ دوشِ احمدی شاہ شہید

خود معنیِ آیاتِ کلامِ الٰہی ست تفسیرِ حسینی ست بقرآن مجید

تذکرۂ میر حسن میں یہ رباعی اُن کے نام سے درج ہے۔ حالاں کہ وہ مولانا لطف اللہ شیرازی کی مشہور رُباعی ہے اور فارسی تذکروں میں اُن کے نام سے درج ہے۔

رُباعی

افسوس دلا کہ غمگساراں رفتند سیمیں بدناں وگلعذاراں رفتند

چوں بوئے گل آمدند بر باد سوار درخاک چو قطرہائے باراں رفتند

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم پائی۔ عربی سے واقف نہ تھے۔ ابتدا سے شعر وسخن اس سلسلے میں حضرت خواجہ میر درد کی خدمت میں رہکر پختگی حاصل کی۔ میر ضیا کے شاگرد تھے۔ مگر خود لکھتے ہیں کہ مجھ سے اُن کی طرز کا نباہ نہ ہو سکا۔ اس لئے میر درد کی طرز کی پیروی کی تلمذ کی بابت آبحیات میں لکھا ہے "میرزا رفیع کو بھی غزل دکھائی" میر حسن کے بیان سے

اُس کی تائید نہیں ہوتی۔ وہ اپنا تلمذ صرف میر ضیا سے ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ یہ لکھتے ہیں کہ چوں کہ میں اُن کی طرز نباہ نہ سکا۔ اس لیے میر۔ درد اور سودا کی طرز کی پیروی کی یہاں بھی سودا کی تخصیص نہیں۔ آزاد نے جو خط میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام نقل کیا ہے اُس میں بھی یہی لکھا ہے "اصلاحِ سخن از میر ضیا گرفتہ ام" سودا کا نام نہیں۔ آغازِ شباب میں دلّی کی تباہی سے پریشان ہو کر اپنے والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ وہاں سے بالآخر لکھنؤ جا کر بود و باش اختیار کر لی۔ اس سفر میں دلّی سے چل کر اوّل چند مہینے ڈیگ میں رہے وہاں سے حضرت شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مکن پور گئے۔ اسی منزل کی کیفیت نے مثنوی گلزار ارم کی بہاریں دکھائیں۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں نواب سالار جنگ اور ان کے بیٹے میرزا نوازش علی خاں کی مصاحبت میں رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گزر یہاں بھی تنگی سے ہوتی رہی۔ خود لکھتے ہیں "چنانچہ تا حال بہر نوع گزراں مینمایم"

حُلیہ۔ داڑھی منڈی ہوئی۔ رنگ بھورا۔ قد اچھا بڑا (میر نفیس تک یہ قد و قامت قایم تھا) پرانی وضع کی پگڑی سر پر (اب سر سے پگڑی ہی ندارد ہے۔ پرانی وضع کون سمجھے گا) اپنے والد کی طرح بڑا سا جبّہ پہنتے تھے۔ یہ حلیہ "تذکرۂ شعرائے ہند" میں لکھا ہے۔ آبحیات میں اس کے خلاف یوں لکھا ہے "میانہ قد۔ خوش اندام۔ گورا رنگ۔ جملہ قوانین شرافت و آئینِ خاندان میں اپنے والد کے پابند تھے اتنا تھا کہ داڑھی منڈاتے تھے۔ سر پر بانکی ٹوپی تن میں تنزیب کا انگرکھا پھنسی ہوئی آستینیں۔ کمر سے دوپٹہ بندھا" اہلِ نظر فیصلہ کریں کہ کون سا بیان قابلِ قبول ہے "تذکرۂ شعرائے ہند" کی قدامت اور تحقیقات کے موقع کا زیادہ حاصل ہونا غالباً تذکرۂ شعرائے ہند کو زیادہ مستند قرار دے۔

میر حسن کے اخلاق کی بابت "تذکرۂ شعرائے ہند" میں لکھا ہے "وہ ظریف و خوش خلق آدمی تھا۔ مگر بیہودہ اور کلام معیوب کبھی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ سوا ازیں شیریں مزاج خوش خلق پسندیدہ تعلیم یافتہ تھا۔ کسی شخص نے اُس کو بُرا نہیں لکھا۔ اور نہ کچھ الزام لگایا ہے"

آخر ماہ ذیحجہ میں علیل ہوئے۔ عشرۂ محرم ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا (یعنی مثنوی "سحر البیان" کے ختم ہونے کے دو سال بعد) مرزا قاسم علی خاں کے باغچہ کی پشت پر مدفون ہوئے۔ مصحفی نے تاریخ وفات کہی۔

چون حسن آں بلبلِ خوش داستاں ــــ رُو۔ ازیں گلزار رنگ و بوتبافت
بسکہ شیریں بود نُطقش مصحفی ــــ شاعرِ شیریں زباں۔ تاریخ یافت

چار بیٹے تھے۔ اُن میں سے تین۔ محسن[1]۔ خلیق[2] اور خُلق[3] شاعر ہوئے۔ شاید ہی اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملے کہ شاعری ایک خاندان میں آٹھ پشت تک مسلسل رہی ہو۔ یہ طرۂ امتیاز میرحسن کے خاندان کی دستار پر کھلا۔ کبھی علوم سات آٹھ پشت تک شاذ و نادر چلے ہیں۔ چہ جائیکہ شاعری جو وہبی ہے۔ پھر قدرت نے اس فراوانی سے یہ نعمت اس خاندان کو بخشی کہ میرحسن کے تین صاحبزادے شاعر ہوئے۔ اور تین پوتے میرانیس[1]۔ مونس[2]۔ اُنس[3]۔ ایک میرانیس تنہا ایک ملک کے فخر کے لئے کافی ہیں۔

میرحسن کا کلام | میرحسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ اب تک فقیر نے قریب سات آٹھ ہزار کے شعر کہے ہیں۔ ایک ترکیب بند کہا ہے اور ایک مثنوی رموز العارفین" جو قبول خاطر" و شہرتِ عام حاصل کرچکی ہے۔

آبحیات میں آزاد لکھتے ہیں "دیوان اب نہیں ملتا" اسی کے ساتھ قدرت اللہ خاں قاسم کا یہ قول دیوان کی نسبت نقل کیا ہے "انواع سخن سے لبریز ہے" ایک اور موقع پر لکھتے ہیں "آج یہ نوبت ہے کہ پانچ غزلیں بھی پوری نہ ملیں جو کتاب میں درج کرتا" مثنوی گلزار ارم کی نسبت لکھتے ہیں۔ میں نے یہ مثنوی دلّی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی۔ تذکرۂ آبحیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "آزاد" کو مثنوی رموز العارفین کی خبر نہ تھی۔ تذکرۂ شعرائے ہند میں منشی کریم الدین نے میرحسن کی تصانیف کی نسبت عجب خلط مبحث کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "حسن مذکور کی تصنیفات یہ ہیں۔ ایک دیوان اقسام سخن کا جس میں تخمیناً آٹھ ہزار شعر ہیں۔ دوسرا تذکرہ

ہندی مصنفوں کا ریختہ میں لکھا ہے۔ تیسری مثنوی بدرِ منیر۔ اس مثنوی کی برابر کسی سے آج تک اچھی مثنوی نہیں ہوئی۔ چوتھی سحر البیان۔ یہ سب سے بڑی کتاب میر حسن کی ہے۔ اس میں عورتوں کی پوشاکِ عجیبہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور طوایف کا بھی اس میں ذکر ہے اور مسلمانوں کی رسماتِ شادی کا بھی حال اس میں مندرج ہے۔" ظاہر ہے کہ "سحر البیان" مثنوی بدرِ منیر کا نام ہے۔ چنانچہ میر حسن نے مثنوی مذکور کے خاتمہ میں لکھا ہے۔ ع

نئی مثنوی ہے یہ سحر البیاں

منشی صاحب جس مثنوی کو سحر البیان کہتے ہیں وہ گلزارِ ارم ہے۔ لیکن وہ مثنوی بدرِ منیر سے بڑی نہیں "تذکرہ" ریختہ میں نہیں لکھا بلکہ فارسی میں لکھا ہے۔ رموز العارفین کا پتہ منشی کریم الدین کو بھی نہیں لگا۔ اور چوں کہ ان کا تذکرہ ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہے اس لئے ماننا چاہیئے کہ ڈی ٹاسی بھی اس سے بے خبر تھا۔ تذکرہ بھی دیکھا نہیں۔ سماعی خبر لکھدی ورنہ اس کی زبان کی بابت ایسی فاحش غلطی نہ ہوتی۔ یہاں ایک دقت اور ہے۔ آزاد نے آبحیات میں جو خط خود میر حسن کا قدرت اللہ خاں قاسم کے نام کا نقل کیا ہے اس میں یہ عبارت ہے۔ "تذکرہ در ریختہ ہم نوشتہ" اس عبارت کے معنی خلافِ ظاہر یہ لینے ہوں گے "در بیان شعرائے ریختہ نوشتہ" ورنہ یہ تو بعید از قیاس ہے کہ شعرائے ریختہ کے دو تذکرے میر حسن نے لکھے ہوں۔ ایک زبانِ ریختہ میں دوسرا فارسی میں۔ غالباً اسی خط کی عبارت سے منشی کریم الدین کو لغزش ہوئی۔

خدا کا شکر ہے کہ جو نعمت مؤلف آبحیات کے لئے پردہ ظلمات میں رہی وہ مجھکو مل گئی۔ لکھنؤ سے کلیاتِ میر حسن کا نسخہ ہاتھ آیا۔ جو ۱۲۵۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ مطلّا اور مذہب ہے اور اس اہتمام سے لکھا گیا ہے جس اہتمام سے فارسی شعرا کے دواوین لکھے جاتے تھے۔ نعمت بالائے نعمت یہ ہے کہ صحیح ہے۔ قدرت اللہ خاں قاسم کا قول بھی اس پر صادق ہے۔ انواع سخن سے لبریز ہے۔ چار سو صفحہ کا حجم ہے۔ تقریباً سات ہزار شعر ہیں۔ غزل کے اشعار قریباً

Lutf says that he wrote a Tazkirah in Rekhta
[illegible]

چار ہزار ہیں۔ چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں سات قصیدے ہیں مخمس، مسدس، مثلث رباعی بھی ہیں۔ وہ ترکیب بند بھی (واسوخت کے نام سے) موجود ہی جس کا ذکر تذکرہ میں میر حسن نے کیا ہی۔ مرثئے نہیں ہیں۔ حالاں کہ میر حسن نے مرثیوں کا لکھنا تذکرہ میں لکھا ہی۔ اس مجموعے کی دستیابی سے آزاد کا وہ تاسف آمیز شکوہ رفع ہو جاتا ہی جو ان کو اخلاف میر حسن سے کلیات مرتب نہ کرنے کی بابت تھا۔

جوشِ عقیدت | سب سے اوّل شاہ عالم بادشاہ کا ذکر لکھا ہی۔ اس ادب کے ساتھ "ذکر اوّل بادشاہ جمجاہ سکندر سپاہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ ... ... خلد اللہ ملکہ و افاض اللہ برہ و احسانہ" اس ذکر کے بعد تذکرہ شروع ہوتا ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ہر چند کہ اُس عہد میں سلاطینِ مغلیہ کے ہاتھ سے سلطنت ظاہری جا چکی تھی مگر دلوں پر حکومت قایم تھی۔

ادبی نکتے | جس طرح میر صاحب نے "نکات الشعرا" کو ضمناً جا بجا ادبی نکتے اور فوائد بیان کر کے زینت دی ہی اسی طرح میر حسن نے اپنے تذکرہ کو آراستہ کیا ہی۔ ریختہ کی تعریف "ریختہ اوّل از زبان دکن رواج یافتہ" اس لحاظ سے یہ گرانبہا جنس شاہجہانی اُردو بازار کی دکانوں کی ملکیت نہ تھی (میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں اس زبان کا نام یا ہندی لکھا ہی یا ریختہ۔ اُردو جہاں تک میرا خیال ہی کہیں نہیں لکھا۔ منشی کریم الدین نے اُردو کے ساتھ ہندوستانی بھی لکھا ہی) طرز متقدمین و متاخرین کا فرق "طرزِ متقدمین بطور ایہام۔ طرزِ متاخرین بزبانِ حال ادائیہ" میر تقی نے خاکسار کے اس شعر میں ؎

خاکسار اُس کی تو آنکھوں سے گئے مت لگیو
مجھکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

یہ اصلاح دی تھی "بر متتبع ایں فن پوشیدہ نیست کہ بجائے 'بیمار کیا'، 'گرفتار کیا'، می بایست"

میر حسن کہتے ہیں: "درعقلِ فقیر چنیں گزرد کہ اگر چشم خود می بود گرفتار مناسب بود۔ چوں اینجا چشم معشوق ست بیماری صحت دارد" دیکھو کیسی بات سمجھا گئے۔ راقم کا ایک شعر نقل کیا ہے:-

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

لکھتے ہیں کہ اس شعر میں "عین" (عاشقوں کا) تقطیع سے گرتا ہے اور یہ عین خطا ہے مصرع یوں ہوتا تو بہتر تھا ع

میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں

معین بداؤنی کا ایک شعر ہے ؎

خوش ہم عُریانی سے اتنے ہیں بہ رنگِ بوئے گل — نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں پوشاک سے ہم

میر حسن کہتے ہیں "خوش ہم عُریانی ناموزون ست چرا کہ "میم" با "را" چناں چسپیدہ است کہ "عین"، چوں چشم غزال ازمیاں رَم کردہ۔ وایں سخت عیب ست"

سجاد کا شعر ہے ؎

تجھے غیر سے صحبت اب آ بنی
اسی دوستی ہم سے ہے دشمنی

میر حسن کہتے ہیں "اسی دوستی" "زبان قدیم ست یعنی برائے ہمیں" فی البدیہہ۔ راجہ رام نرائن موزوں تخلص۔ نواب سراج الدولہ کی طرف سے عظیم آباد کے صوبہ دار تھے۔ شیخ علی حزیں کے شاگرد "آشنا پرست" باوہ دوست۔ فارسی کا ذوق تھا۔ ریختہ کا صرف ایک شعر کہا جو مشہور ہو گیا۔ اس کا واقعہ خود میر حسن کے الفاظ میں سنو "شعر ریختہ کم گفتہ بلکہ نگفتہ۔ مگر وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتادہ ہماں وقت فی البدیہہ ایں شعر میخواند و از خبر داراں خبر می پرسید و می گریست ؎

غزالاں۔ تم تو واقف ہو۔ کہو مجنوں کے مرنے کی — دِوانہ مر گیا آخر کو۔ ویرانہ پہ کیا گزری؟

"ہمیں شعر از و یادگار ماند" ذرا اس شعر کو مکرر پڑھو اور اس کے درد کا اندازہ کرو اور یہ بھی غور کرو کہ ایک "آشنا پرست" ماتحت کے دل کے واردات کا سچا نقش ہے۔ کیا اس کے بعد مجھکو یہ کہنے کی اجازت ملے گی کہ تاریخ کے سیاہ کار بلیک ہول کے داغدار سیراج الدولہ! تیرے دل میں تو محبت و ہمدردی کا چراغ روشن نظر آتا ہے! اُن کے اُستاد میر ضیا نے اپنے یہ شعر اُن کو سُنائے تھے ؎

تربت ضیاؔ کی دیکھی کل رات دُور سے میں | آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
جا کر جو آج دن کو دیکھا ہیں کر تفحص | اک دل جلے ہی اُس میں حسرت کے داغ کتنے

سلام اللہ خاں تسلیمؔ ایک فارسی گو شاعر نے ترجمہ کر کے یہی مضمون اپنے نام مشہور کر دیا ؎

دوش رفتم بر مزار کشتۂ تسلیم خویش | مے نمود از دُور صد شمع و چراغ حسرتے
چوں شدم نزدیک دیدم از تفحص ہا بسے | یک دلے میسوخت باشد چند داغ حسرتے

میر حسن خفا ہیں (اور خفگی بجا ہے) "تسلیم در فارسی ترجمہ کردہ بنام خود شہرت داد۔ ایں ندانست کہ در نظر صورت شناسانِ معانی متبلّٰی و فرزند پوشیدہ نمی ماند۔" مثل ہندی مشہور ہے "ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں جس کا ہاتھی اُس کا ناؤں" پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تسلیم کے شعر زبانِ فارسی کی قوت و صفائی کی بدولت ضیاؔ کے اشعار سے زیادہ پائدار ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ ضیاؔ کی زبان بوجہ قدامت ماند پڑ چکی ہے۔ مصرع اوّل میں "کشتۂ تسلیم" نے جان ڈالدی ہے۔

میر حسن صرف ادبِ اُردو کے نقاد نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شعرا کے کلام کی نقادی پر بھی پوری قوت تھی۔ اور ہر ایک کے طرز کا جُدا جُدا اندازہ حاصل تھا۔ چنانچہ اساتذۂ اُردو کے کلام کی طرز کو اساتذۂ فارسی کی طرز سے تشبیہ دیتے جاتے ہیں۔ میر ضیا "طرزش مانا بہ طرزِ مولانا نسبتی"۔ میر تقی "طرزش مانا بطرزِ شفائی"۔ خواجہ میر درد۔ "دیوانش

اگرچہ مختصرست لیکن چوں کلام حافظ سراپا انتخاب" میر درد کا ایک شعر سن لو۔ حافظ کے بہت سے شعر یاد آجائیں گے ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

قائم چاند پوری" طرزش بہ طرز طالب آملی می ماند" زبان کی ٹکسال دلی تھی۔ قائم مذکور کے حال میں متوطن چاند پور ندیہ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہاں آباد آمدہ بسر بُرد بنا بر آں محاورہ او درست گشت" معین بداؤنی کا ایک مصرع ہے۔ ع

نہ آیا یار دو پہری بھی اب ڈھلی افسوس

میر صاحب لکھتے ہیں "ایں محاورہ درست نیست۔ مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند۔ دو پہری مگر مردم بیرونجات" ایک شعر میں شاعر موصوف نے "بُتِ خانگی" باندھا ہے۔ میرحسن کہتے ہیں "بُتِ خانگی نا مانوس ست۔ فقیر در ہیچ جا نشنیدہ"

سرمایۂ مشترک یہ زمانہ صنعت وحرفت کی ترقی کا ہے۔ گوناگوں مصنوعات سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں کے در و دیوار معمور ہیں اسی سلسلے میں بہت سے مصنوعی مسائل کا انبار ہے جو ہماری زندگی پر مؤثر ہیں۔ انھیں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ ملکی زبان کا ہے۔ ایک زبان صرف مسلمانوں کی ہے اس کا نام اردو ہے۔ دوسری ہندوؤں کی ہے اس کو ہندی کہتے ہیں۔ ہندوستان کے چاروں گوشوں کو دیکھا۔ شہر۔ دہات۔ پہاڑ اور جنگل دیکھے مگر زبان کی یہ تقسیم کہیں عمل پذیر نہ دیکھی۔ تذکرۂ میر تقی میر اور تذکرۂ میرحسن کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ ریختہ کہو اردو کہو ہندی کہو جو نام چاہو رکھو مگر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کی عام رائج زبان ہندو اور مسلمان اہل ادب کی محنتِ مشترکہ کا ثمرہ ہے۔ ابتدائے شاعری سے لے کر انتہا تک یہ اشتراکِ محنت عیاں ہے۔ نکات الشعرا میں جہاں متقدمین شعرا میں خانِ آرزو اور قزلباش خاں امید ہیں وہاں رائے انند رام مخلص اور

ٹیک چند بہار بھی ہیں۔ متوسطین میں بندرابن راقم ہیں۔ میرحسن کے تذکرہ میں بھی بہت سے ہندو شعرا کا ذکر ہے جن میں سے بعض جگت اُستاد تھے۔ مثلاً رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص۔ اُن کی نسبت لکھا ہے "شاعر زبردست فارسی ست شعر بسیار گفتہ است۔ اُستادِ ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیراں و اکثر دیگراں شاگردِ اویند۔ درآنجا مشہور و معروف است"۔ حسرتِ مذکور اساتذۂ لکھنؤ میں سے ہیں۔ جرأت کے اُستاد شاگردوں کی یہ کثرت تھی کہ پہچان نہیں سکتے تھے۔ ایک اور معتبر شہادت۔ منشی کریم الدین نے تذکرۂ شعرائے ہند میں (جو ڈی ٹاسی کے تذکرہ سے ماخوذ ہے) طبقہ دوم۔ اُن شعرا کے ذکر میں لکھا ہے جو مصلح اُردو اور مروج اس زبان کے تھے۔ اور اُنھوں نے الفاظِ کریہ کا استعمال یک قلم زبانِ ریختہ سے موقوف کر دیا۔ اس طبقے میں سب سے اوّل راجہ جسونت سنگھ متخلص بہ پروانہ کا ذکر ہے۔ یہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے نائب راجہ بینی بہادر کے بیٹے اور رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ جرأت کی وفات کی تاریخ کیا خوب کہی ہے۔

"کہو جنت نصیب جرأت ہے"
١٢٢٤ھ

پروانہ کے دیوان کی بابتہ یہ رائے ظاہر کی ہے "دیوان اس شاعر کا دیکھنے میں آیا۔ بہت اچھا۔ پاکیزہ اشعار اُس کے ہیں۔۔۔" اسپرنگر بہادر کے پاس وہ دیوان موجود تھا۔ میرحسن نے اپنے تذکرہ میں حسب ذیل ہندو شعرا کا ذکر لکھا ہے۔ [1] رائے پریم ناتھ۔ [2] ٹیک چند بہار۔ [3] سنتوکھ رائے بیتوا۔ [4] سیا ناتھ سنگھ۔ [5] لالہ سرب سنگھ دیوانہ۔ [6] گھاسی رام خوشدل۔ [7] بندرابن راقم۔ [8] لالہ ہلاس رائے رنگیں۔ [9] لالہ خوشوقت رائے شاداب۔ [10] رائے بھکاری داس عزیز۔ [11] فارغ۔ [12] بدھ سنگھ قلندر۔ [13] لالہ کاشی ناتھ۔ [14] انند رام مخلص۔ [15] راجہ رام نراین موزوں۔ [16] عجائب رام منشی۔ [17] لالہ نول رائے وفا۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مذکورۂ بالا مصنوعی تفریق کو دیکھکر چارہ کار یہی ہے کہ ملک اور اہلِ ملک کے حال پہ افسوس کیا جائے۔

اس عہد کی معاشرت | عموماً شعرا کی نسبت یہ خیال ہی کہ وہ ایک بیکار فرقہ ہی جو خیالی دُنیا کی سیر میں مصروف ہی۔ کلام کی شوخی و رندی سے قیاس کیا جاتا ہے کہ قائل اپنی حالت کا مرقع کھینچ رہا ہی۔ واقعات اس خیال کا ساتھ نہیں دیتے۔ طبقۂ شعرا میں کثیر حصہ ایسے کاروباری آدمیوں کا تھا جن کا معیارِ اخلاق بلند تھا۔ اور جو شعرگوئی اور زندہ دلی کا سامان اور ادب کی خدمت تصور کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ اور کمالاتِ انسانی میں قدرت و کمال پیدا کرتے تھے۔ ذیل کے شعرا کے اخلاق و مشاغل پر نظر ڈالیے۔ اُمید ہی کہ آپ بھی میرے ہمنوا ہوں گے۔ میر اثر "خوش اوقات و نیک سیرت درویشے ست موقر۔ وصاحب سخنے ست موثر۔ عالم۔ فاضل"۔ عاصمی "در علمِ تاریخ و شمشیر شناسی و لطیفہ گوئی دستے ہم رسانده"۔ رائے پریم ناتھ "خطاط بے نظیر کمال دار دل پذیر۔ غزل فارسی خوب می گوید۔ اگاہ "بوسیلۂ قصہ خوانی بسر می برد۔ دریں فن شاگرد میر احمد مرحوم ست کہ بقصہ خوانی مشہور بود"۔ میر اعلیٰ علی "خلیق و متواضع"۔ میر شیر علی افسوس "داروغہ توپ خانۂ عالیجاہ جوانے ست ظاہر و باطن آراستہ۔ بحلم وحیا پیراستہ"۔ بیدار "بزیورِ حلم وحیا آراستہ"۔ حشمت "سپاہی پیشہ"۔۔۔ فہمید "سنجیدہ۔ متواضع و مؤدب"۔ رنگین "سپاہی پیشہ خوش اوقات و نیک ذات۔ جوانِ محمد شاہی۔ خطِ نستعلیق خوب می نویسد"۔ مہربان خاں رند (اُس عہد کے اُمرا کا ایک نمونہ) نواب غالب جنگ بہادر والیِ فرخ آباد کے وزیر "مجلسے رنگین و بزمے ارم تزئین داشت"۔ ہر صادر و وارد کی فراخ حوصلگی سے خدمت کرتے تھے۔ اہلِ سخن اور ہر فن کے اہلِ کمال سے ربط تھا۔ موسیقی اور ہندی شاعری میں (جو کبتوں سے عبارت ہی) مشاق تھے۔ مرتبۂ امارت اتنا بلند تھا کہ خود اُمرا اُن کی صحبت میں تھے۔ میر سوز اور سودا کے شاگرد تھے۔ موسیقی میں بہت سے راگ تصنیف کئے تھے۔ فن تیر اندازی میں بھی میر سوز کے شاگرد تھے۔ اور اس فن میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ شمشیر شناسی۔ ادب شناسی اور مردم شناسی بھی میر موصوف کی صحبت میں حاصل کی تھی۔ دیکھو ادب شناسی اور

انسان کی قدردانی بھی اُس زمانہ میں فن تھے جو اُستادوں سے حاصل کئے جاتے تھے۔ اس بیان سے خود میر سوزؔ کے کمالات کی نیرنگی معلوم ہوتی ہی۔ میر مظہر علیؔ "پاکیزہ سرشت و نیک شعار۔ جوانے ست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقوی پیراستہ" سجادؔ "موصوف باوصافِ حمیدہ۔ مخلوق باخلاقِ سنجیدہ ۔۔۔ در لطیفہ گویاں ۔۔۔ طاق۔ در ہر امورے کہ دخل کرد و بکمال رسانیدہ۔ علم طب ہم حاصل نمودہ ۔۔۔ طلسمات۔ و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی بمراتب اعلیٰ رسانیدہ" شوقؔ "مردِ سپاہی پیشہ۔ صاحب دیوان۔ از شاگردانِ سراج الدین علی خاں آرزو۔ مدّتے در سرکارِ نواب عماد الملک غازی الدین خاں بوسیلۂ سپہ گری بسر بُردہ" شاکرؔ "جوانے ست بکمالِ صلاحیت آراستہ و بہ علم و عمل پیراستہ۔ اہلِ دل، منصف، متواضع، مؤدّب۔ بزرگ و بزرگ زادہ" نواب عماد الملک غازی الدین خاں (ایک اور امیر) "بر جمیع علوم قادر و در فنونِ سخن ماہر از وزرائے ہندوستان ۔۔۔ بود ۔۔۔ ہفت قلم و ہفت زبان" فغاںؔ "خانِ ظریف طبع۔ و خوش اختلاط۔ با ہر کس خوش طبعی داشت ۔۔۔ لطائف و ظرائف او مشہور ست" گریاںؔ "جوانے ست شائستہ ۔۔۔ سپاہی پیشہ" وحشتؔ "سید زادہ خوش اوقات و نیک صفات۔ جوانِ وضع دار و در فنِ سپہ گری استوار" لالہ نور رائے وفاؔ "از تذکرۂ محمد قایم چناں ظاہرست کہ جوانے ست نوخاستہ۔ بزیورِ علم و عمل آراستہ ۔۔۔ صاحبِ حلم و حیا۔ لطافتِ مزاج از گُل زیادہ ۔۔۔ برادرِ خوردِ شش راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود۔ لیکن ایں عزیز مصروف اکتساب و غریقِ مطالعہ کتاب۔ طلبِ ہر کمال دامن گیرِ حال۔ طبع در دمند داشت"

یہ نہ خیال کرنا کہ میر حسنؔ صاحب کے یہاں حُسنِ بیان حُسنِ ظن کا دفتر کھلا ہوا ہی اور ہر شخص سندِ تعریف سے سرفراز ہوتا ہی۔ اصل یہ ہی کہ وہی لکھا ہی جو خود دیکھا یا دوستانِ حقیقت داں سے سُنا۔ چنانچہ دیباچہ میں لکھ دیا ہی "پس از دریافتِ حال خبر آں صاحبِ سخن

شمہ کہ از دوستانِ حقیقت داں مسموع نمودہ در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت۔" ایسے شعرا بھی ہیں جن کی اخلاقی حالت معلوم نہ ہوئی اُن کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ مثلاً مصحفیؔ۔ اُن کے کلام کی فصاحت اور بلاغت کی تعریف کی ہے۔ مگر اخلاقی حالت چوں کہ معلوم نہ تھی اس لئے صرف اس قدر لکھا ہے "از تخلص معلوم می شود کہ مرد صالح ست۔"

مذکورۂ بالا اقتباس اہلِ انصاف کو اس امر کا معترف کرنے میں کامیاب ہوگا کہ شعرائے ماضی نکوہیدہ حال نہ تھے۔ بلکہ علم و اخلاق سے آراستہ انسان تھے۔ کیا اس سوال کا موقع ہے کہ آج کل کے مدعیانِ کمال کہاں تک علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں ؟

بزرگانِ دین کی توجہ ادبِ اُردو پر

عام خیال یہ ہے کہ بزرگانِ دین و عُلمانے اُردو ادب کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ اس خیال کو واقعات سے مطابق کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اُردو ادب نے شروع سے حضراتِ اولیائے کرام کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائی ہے۔ ریختہ کے اُستادِ اوّل (بقولِ میر حسن) وؔلی دکنی ہیں۔ میر تقی میر اور حسن دونوں کی شہادت ہے کہ دلّی میں آکر حضرت شاہ گلشن قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فیض حاصل کیا۔ ریختہ میں فارسی کے مضامین رنگین استعمال کرنے کا مشورہ حضرت ہی نے دیا۔ میر حسن کی اصل عبارت "ولی۔ ۔ ۔ از خاکِ گجرات ۔ ۔ ۔ در وقتِ عالمگیریہ ہندوستان جنت نشان آمدہ در خدمتِ شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمود۔ از توجہ آں بزرگوار مقبولِ اعلیٰ و ادنیٰ گردید۔" اُردو شاعری کے تیسرے دَور کے ارکانِ چہارگانہ میں سے دو رکن وہ عالی مرتبہ بزرگ ہیں جن کی تعلیم سے ہزاروں انسان زندگی کے مقصد سے واقف اور شاہدِ مقصود کے حصول میں کامیاب ہوئے۔ یعنی حضرت خواجہ میر دؔرد اور حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہما۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ یہ شوق حضرات نقشبندی سلسلے میں اس طرح اُردو ادب کا نقشِ اوّل و ثالث حضرات نقشبندیہ کی توجہ کا منت پذیر ہے۔ آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں "اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے

یہی سُنا کہ مرزا جانِ جاناں۔ سوداؔ۔ میرؔ۔ خواجہ میر دردؔ۔ یہ چار شخص تھے جنھوں نے زبانِ اُردو کو خراط اُتارا ہی" آخرالذکر دونوں حضرات نے گوناگوں اسلوبوں سے ادبِ اُردو کو ترقی بخشی۔ خود اُستادانہ کلام کہا۔ اپنے فیضِ اثر سے اُس کو مقبول بنایا شاگردوں کی تربیت کی۔ حضرت خواجہ میر درد کو دیکھو۔ خود قادرالکلام اُستاد ہیں۔ چھوٹے بھائی اثرؔ ہیں۔ صاحبزادہ المؔ۔ قائمؔ چاندپوری اور بھکاری داس عزیز زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔ میرحسن نے حضرت ہی کی خدمت میں ذوقِ سخن کی پختگی حاصل کی۔ حضرت میرزا صاحب خود اُستادِ فن۔ یقینؔ و حزیںؔ زمرۂ تلامذہ میں۔ ان حضرات کے علاوہ الہ آباد کے دائرے بھی اس ذوق سے پُرصدا تھے۔ حضرت شاہ اجمل سجادہ نشین حضرت شاہ خوب اللہ اور اُن کے برادر بزرگوار شاہ غلام قطب الدین مصیبتؔ بھی شاعرانِ اُردو میں شامل ہیں۔

ایک لطیف بحث | میر تقی میر نے اپنے کلام کا انتخاب نکات الشعراء میں درج کیا ہی۔ میر صاحب کا کلام۔ اُس پر اُن کا انتخاب۔ سونے میں سُہاگہ۔ مگر آفریں میر حسن کے انتخاب کو کہ میرؔ کے کلام کا انتخاب خود میرؔ سے بہتر کیا۔ مشتے نمونہ از خروارے اشعار ذیل میرحسن کے انتخاب میں ہیں۔ میر صاحب کے انتخاب میں نہیں ؎

کہا میں نے کتنا ہی گل کا ثبات ... کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا ... جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے ... ہی خیر میر صاحب۔ کچھ تم نے خواب دیکھا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا ... کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

ان اشعار کی بابت یہ کہا جاتا ہی کہ چوں کہ ان اشعار کے ہم طرح اشعار میرؔ کے تذکرہ میں نہیں ہیں اس لئے ممکن ہی کہ ترتیبِ تذکرہ کے بعد کہے ہوں اس لئے انتخاب میں نہ آئے ہوں۔ معترکہ یہ ہی کہ جن غزلوں کے اشعار منتخب کرکے خود میر صاحب نے لکھے ہیں اُن ہی

غزلوں سے بعض ایسے نادر اشعار میر حسن نے انتخاب کر لئے ہیں جو خود میر کے انتخاب سے زیادہ نادر ہیں۔ اور یہ ایک انسانی کمزوری کا پہلو ہے کہ بعض اوقات خود اپنے کمال پر دو قلم پھیر دیتا ہے۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ زلالی خوانساری کی معرکۃ الآرا مثنوی محمود و ایاز کا مسودہ دیکھا گیا تو اس میں بعض ایسے نادر اشعار زلالی نے کاٹ دیئے تھے جو فارسی ادب کے لئے مایۂ ناز ہیں۔ مثلاً شب تاریک کی تشبیہ میں یہ بے نظیر شعر ہے

ستارہ می نمود ے درمیانہ
چو چشم گربہ در تاریک خانہ

ایسے متعدد اشعار اہل نظر احباب نے مثنوی مذکور میں بعد کو اضافہ کر دیئے ہیں۔

خلاصۂ کلام۔ نمونۂ کلام مذکور ملاحظہ ہو۔ ایک غزل ہے دیدار دیکھنا۔ گلزار دیکھنا۔ اس غزل کے یہ اشعار میر نے انتخاب کئے ہیں

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا ۔۔۔ عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے ۔۔۔ ہشیار۔ زینہار۔ خبردار دیکھنا

میر حسن اسی غزل کے یہ شعر انتخاب کرتے ہیں

صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب۔ یہ گلزار دیکھنا

دوسری طرح۔ روتا رہیگا۔ سوتا رہیگا۔ اس غزل کے یہ شعر انتخاب میر میں ہیں

جو اس شور سے میر روتا رہیگا ۔۔۔ تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے ۔۔۔ ہمیں کچھ کہیگا تو ہوتا رہیگا

میر حسن کے انتخاب میں یہ شعر ہے

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے ۔۔۔ جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

ایک تیسری طرح ہے۔ یار افسوس۔ ہزار افسوس۔ انتخاب میر ؎

مرگیا میں ملا نہ یار افسوس　　آہ افسوس صد ہزار افسوس
یوں گنواتا ہے دل کوئی مجھ کو　　گہے آتا ہے بار بار افسوس

انتخاب میر حسن ؎

رخصت سیر باغ ہمیں نہ ہوئی　　یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

ایک چوتھی طرح۔ وفائے بلبل۔ جائے بلبل۔ انتخاب میر ؎

گل کی جفا بھی دیکھی۔ دیکھی وفائے بلبل
یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

انتخاب میر حسن ؎

کی سیر جذب اُلفت گلچیں نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل

یہ شعر ایک دیوان پر بھاری ہے۔ میر صاحب کا اس کو منتخب نہ کرنا سراپا حیرت ہے۔ میر حسن کے اِس حُسن انتخاب نے یقین ہے کہ طبائع کو اُن کے انتخاب کا مشتاق کردیا ہوگا اس لئے دل چاہتا ہے کہ اور انتخاب بھی ناظرینِ مقدمہ کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں لکھدوں۔

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں زندہ و مُردہ دونوں کو غایتِ شفقت کے ساتھ دُعائے خیر سے یاد کیا ہے۔ اور دیباچہ میں غرض تالیفِ تذکرہ بھی یہی لکھی ہے کہ اس کو پڑھکر شاید کوئی مجھ کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ لہذا خاتمۂ مقدمہ پر دُعا کرتا ہوں۔ ناظرین آمین کہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَتَجَاوَزْعَنْ سَیِّئَاتِہٖ

انتخابِ اشعار

آبرو

دُور خاموش بیٹھے رہتا ہوں — اِس طرح حالِ دل کا کہتا ہوں
دل کب آوارگی کو بھولا ہے — خاک گر ہو گیا بگولہ ہے
شوق سے جس گھر میں ہو تو جلوہ گر — آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

اثر

بس رفع اب خیالِ مے و جام ہو گیا — ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا
دردِ دل چھوڑ جایئے سو کہاں — اپنے باہر تو یاں گزر ہی نہیں
کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے — اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں
اثر سمجھے کیا کدھر جایئے — مگر آپ ہی سے گزر جایئے
بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھکو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے — پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں
عاشقی اور عشق کی باتیں — سب جہاں سے اثر کی ساتھ گئیں

اسد

جیتے جی اسد کو لائے تھے اُس کی گلی سے ہم — خانہ خراب - راہ میں پر پھر مچل گیا

آزاد

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں — یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو — دل کو اِس وعدہ سے میں شاد کروں یا نہ کروں

عاصمی

مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقشِ جہاں دیکھا — جہاں دیکھا بہ صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا

قیامت کی عقوبت ساری ہجرِ یار میں گزری — وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا

انشا

ہوئے ہیں خاکِ سرِ راہ اُس کے ہم انشا — بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

افسوس

اُس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی — دیکھیے آگے آگے کیا ہوگا

بیاں

اب ہجر میں کہتا ہے کہ تھا وصل میں آرام — نالاں ہے بیاںؔ میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی
پیو شراب جوانو کہ موسمِ گل ہے — ہمیں بھی یاد وہ عہدِ شباب آتا ہے
جاتا ہے یار کچھ تو بیاںؔ منہ سے بول لے — اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے
ہووے گا ذوقِ حسرتِ دیدار میں خلل — شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

رباعی

سو طرح سے یہ عشق لبھاتا ہے مجھے — ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہے مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب — ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

رباعی

دُنیا سے بیاںؔ چلا ہوں روتے روتے — گزری شبِ عمر اپنی سوتے سوتے
ظلمات میں تھا آبِ بقا پر افسوس — روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

بیتاب

دل چھین لیا میرا بنارس کے بتوں نے — اس وقت میں تو اے مرے اللہ کہاں ہے

بسمل

اُن کی مسند کی کیا کروں تقریر — نقش ہے روئے خاک پر تحریر

تاباں

عجب احوال ہے تاباںؔ کا تیرے — کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

سید محمد تقی (عرف میر گھاسی)

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل	تری فریاد سے جیتا ہوں میں مرنا بلبل

جرأت

آنے کی خبر ہی اُس کے لیکن	آتا نہیں اعتبار دل کو
آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں	ہے عین ہجر ہی میں میسّر وصالِ دوست
بات میں کس کی سنوں آہ کہ اے مرغ چمن	شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں
اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں	تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ	چشم حسرت سے کہاں تک دمبدم دیکھا کریں
چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا	دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

حاتم

حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے	کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

حزیں

ویراں ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک	چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

حسن

تھی ہمیں سیر کوئی دن اُسی میخانے کی	اب خبر ہے نہ صراحی کی نہ پیمانے کی
تیغ ابرو نے تو مارا ہی تھا جو زلف نہ ہو	غیر زنجیر خبر کون لے دیوانے کی
اے حسن آپ کو سمجھیگا تو کیا بس چپ رہ	ممرّ حق ہی یہ نہیں بات تری پانے کی

حیراں

دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال	غم فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب

حسرت

کہو وہ اپنے منھ سے قتل حسرت کو کیا میں نے	مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے

قطعہ

تم جو کہتے ہو کہہ دو حسرت کو — آہ و فریادیاں کیا نہ کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے — دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

مولفِ تذکرہ ۔ میر حسن متخلص بہ حسن

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا — راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائیگا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں — لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا
قیامت مجھ پہ شب اس کا ترحم اور تظلم تھا — کبھی تھیں گالیاں منہ پر کبھی لب پر تبسم تھا
ایسی ہی آہ باتیں اس بے وفا نے چھیڑیں — رو دیتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گزرا
اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا — جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا
چھوڑ دے کوئی کسی کے لئے جس طرح سے کچھ — ہم نے منت میں تری کون و مکان چھوڑ دیا
کرتے تو مجھکو قتل کیا ہے پر اب حسن — کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا
جز اشکِ بلبل اب نہیں گل شاخسار پر — کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پر
اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا — ہو چکی واں بہار ہی آخر
مردمِ چشم نے پلکوں کی چڑھا سنگینیں — ایک عالم کو نظر بند کیا پہرے میں
ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی — تمام عمر لگی پر مہم یہ سر نہ ہوئی
شبِ فراق میں رو رو کے مر گئے آخر — یہ رات جیسی تھی ویسی ہی سحر نہ ہوئی
جان و دل ہیں اداس سے میرے — اٹھ گیا کون پاس سے میرے
جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہم کو حسن — اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے
کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے — دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی — پر ایک جان تو ہی جس بن نہیں گزرتی
کچھ ہو نہ ہو ولے ہو تیرا خیال ہر دم — اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

رہی جس میں خطرہ سدا نیستی کا   بس اے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

رباعی

دُنیا داری میں اور نہ دین داری میں   چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
حیرت کدۂ دہر میں تصویر کی طرح   سویا کرتے ہیں عین بیداری میں
پہنچے نہ حسن منزلِ مقصود کو ہم۔ اور   آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

۵ کرم اللہ خاں دردؔ

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے   تو پوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر   اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
تحمل آتشِ غم میں دلِ بیتاب کیا جانے   ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو   پلک لگنے کی لذت دیدۂ پرآب کیا جانے

حضرت خواجہ میر دردؔ

خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیری واسطے   آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
باری مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہُوا   پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہُوا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی   جب تلک پہنچے ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بُت خانہ تھا   ہم سب ہی مہمان تھے واں تو ہی صاحبِ خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا
ہوگیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ   وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا
جان سے ہو گئے بدن خالی   جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری   آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی   ہم نے سَو سَو طرح سے مر دیکھا
تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا   برابر ہے دُنیا کو دیکھا نہ دیکھا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس دل گھبرا گیا

مجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا

کسی سے کیا بیاں کیجے اِس اپنے حال ابتر کا
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کرّوبیاں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں
موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بُو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
پر نہ آ جائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

رہنے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے دھونی
ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

رباعی

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک سو۔ گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی
ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

رباعی

اے دردؔ یہ دردِ جی سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزارِ جہاں ہزار پھولے لیکن
میرے جی کا شگفتہ ہونا معلوم

رباعی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی — اے دردؔ کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو — کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

درخشاں

تھی درائے ناقۂ لیلیٰ کی ہر دم یہ صدا — آہ مجنوں پا شکستہ رہ گیا محمل سے دور

رسوا

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے — ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو — اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے
وہ کون سی زمین جو اشکوں سے نم نہیں — رسوا بھی اس زمانہ میں مجنوں سے کم نہیں
دیگرے را در گرفتاری شریک یا مکن — مدعا گر شہرتِ حسن است یک رسوا بس است

رند

سینے سے داغِ عشق مٹایا نہ جائیگا — ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

راقم

پہنچا نہ آہ درد کو میری کوئی طبیب — یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے
سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح — ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں تری گلشن سے کچھ غرض — ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب — آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھکر کہیں
کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے — اڑا دیتے ہیں اُس کی بات ہنس کر

رضا

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے — بے رحم جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے

زار

چھوٹ جاویں غم سی ہر دم کے جو نکلے دم کہیں
خاک ہی یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ایک دن آگے ہی دنیا سی اُٹھاتا ہم کو
شبِ فرقت تو آہی نہ دکھاتا ہم کو

ہمیں تو فرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہی
گلی میں اُس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے

سراج

نہیں ہی تاب مجھی تیرے سامنے جانا
کہاں سراج کہاں آفتابِ عالم تاب

اوس بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ہی ستاروں کی کیا کمی

شعلہ تو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہی تب سے انگاروں پہ دل

وہ ظالم مجھکو جلتا دیکھکر اتنا نہیں کہتا
کہ کیا ثابت قدم ہی کیوں نہو آخر سراج اپنا

سعادت

واللہ جو صحیفۂ لوح ترا نام نہ ہوتا
ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

سجاد

جان و دل سب قبول ہی جانا
پر گلی میں تری مجھے آنا

اس فصلِ گل میں جوشِ جنوں کا ہوا ہی قہر
جنگل میں آ بسی ہی نکل کر تمام شہر

اِس زمانے میں دوستی کا رنگ
آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی

سودا

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہی کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہی کہ نہیں

فکرِ معاش ذکرِ بتاں یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خوب رو
زاہد تجھے قسم ہی جو تو ہو تو کیا کرے

عشرت سی دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہو سکے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
منہ تاک خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹوں کو بوتے ہو — یہ عارض گل نہ ہووے عبث سبزہ بھی کھوتے ہو
صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے — اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے
پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب — ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئی پھولے پھلے گئے
گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا — سادگی دیکھ کے اس پر بھی لگا جاتا ہوں

محمد میر سوز

یارو ہوں دور جا ہے اللہ — کیا زمانے کا انقلاب ہوا
سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے — آج مجھ سے کا پھر جواب ہوا
اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا — آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا
بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا — تڑپنے کے سوا کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا
نئے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے — کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

شاعر

اپنے مطلب کی کہہ جائیں گے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجئے گا

ضیا

کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگ خلق — اس کے کوچہ میں ضیا تو آج پھر جانے لگا
مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں — ہاتھ سے اے صنم نہ کھو مجھکو
آہستہ پاؤں رکھیو اے بوئے گل چمن پر — سوتے ہیں اس زمین میں نازک دماغ کتنے
اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر — مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے
کون سے زخم کا کھلا ٹانکا — آج پھر دل میں درد ہوتا ہے
کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو — خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہے ڈھونڈتی کس کو

ہم نہ مثمر نہ ہم نہال ہوئے
اُگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے

دل کے جلنے پر نہ کی رقت کسی نے رحم کی
خود بخود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

کعبہ میں چھپ رہا ہی یا دیر میں نہاں ہی
خانہ خراب جلدی تو بول اُٹھ کہاں ہی

کیا کہا قاصد ضیا سنتے ہی جس کے مر گیا
بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

ظہور

چشم گریاں حسن سے معمور ہی
چاندنی برسات کی مشہور ہی

مرزا عسکری

بات اب امتحان پر آئی
قصۂ کوتاہ جان پر آئی

عشق

کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

تھا کعبہ و دیر سے کسے کام
مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم

فراق

اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں
کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہی

فقیر

زندگی موج آب ہی گویا
دم کا آنا حباب ہی گویا

فغاں

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے
گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا

یہ امتحاں نہ کر لے میرے مہربان عزیز
جہان میں کوئی تجھ سے رکھیگا جان عزیز

فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو
جدائی کا تصور بندھ رہا ہی

فدوی

فدوی مرا ہی کام ہی روز اُٹھکے جس طرح
رکھتا ہوں تھام تھام دل بیقرار کو

فارغ

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا / بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

افصح

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم / ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
سُرمۂ چشم جہاں ہیں ہونا / خاکساری کی کرامت دیکھی

قایم

اِن دونوں چرخ پر نہیں یہ مہر / گود میں کا نگڑا ہی لئے ہے سپہر
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات / کالے کمل میں رات کاٹے رات
دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا / آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی نادم ہوں / کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا / پر دیکھیو لینا نہ کہیں نام کسی کا
ہم نے ہر طرح تیرے ہجر میں دل شاد کیا / ہچکی آئی تو یہ سمجھے کہ ہمیں یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ / ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا
ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر / روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا
خوب نکلے ہم اُس کے کوچہ سے / ورنہ آتے تھے اک عذاب میں رات
آہ اے پیر چرخ قایم نام / یاں جو رہتا تھا اک جوان ہے یاد
بے شغل نہ زندگی بسر کر / گر اشک نہیں تو آہ سر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی / اس سے جو کوئی جیا تو مر کر
وہ محو ہوں کہ مثالِ حباب آئینہ / جگر ہے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں
خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں / یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں
میں کہا۔ عہد کیا کیا تھا رات / ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

ناز و ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہی — کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہی
حسرت نے دل کو مری سمجھی وہی خستہ جسے — یار نے آ کے دم باز پسیں دیکھا ہی
گو کہیں یار نے بلایا ہے وہ اب آتا ہی — پر اُسے میں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہی
شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے — صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے
مرجائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے — جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
شب گریہ سے وابستہ مری دل شکنی تھی — جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی
مردن دشوار ہیں یہ جان پے تقصیر ہی — حسرت دل سو طرف سے اس کی دامنگیر ہی
فلک رلائے تو ہی ہم کو لیک یہ ڈر ہی — کہ بلبلا سے کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے
مجھ سا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں — ہے یوں تو زلف یار بھی پر اس قدر نہیں
قائم ہیں عندلیب خوش آہنگ تھا ولے — زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے
آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی — کچھ رکا جاتا ہی دل گرد سے ویرانے کی
آج کی رات جو اُس گل کا میسر ہو وصال — شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

قدرت

اہل عدم کو رمز فنا کا تھا کب شعور — سر مشق زندگاں مرا لوح مزار تھا
تڑپوں ہوں خاک و خوں میں پڑا میں کہ وا ارے — قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا
کس کی نیرنگی یہ شمع پردۂ فانوس ہے — جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہی
جو نقش قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم — تا مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم
سینہ اُس کا ہی دل اُس کا ہی جگر اُس کا ہی — تیر بیداد جدھر تو کرے گھر اُس کا ہی

قربان

یوں بند قبا کھل گئے جو آن میں گل کے — کیا پھونک دیا تو نے صبا کان میں گل کے
کیا کچھ دل بلبل پہ کرے دیکھئے یہ عشق — سو چاک دیئے جس نے گریبان میں گل کے

کافر — **رباعی**

کیا پھرتی ہے میکدے میں مٹکی مٹکی
زاہد عابد سے دُور پھٹکی پھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر
یہ دخترِ رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کلیم

آتی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

گمان

مدّت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل
اس گُل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

فیضِ گُل سے پھر ہوا اب گرم بازارِ چمن
مشتِ پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن

مجھے تو زیست بھی دشوار ہو گئی ہے اب
خدا کرے کہ گمان - دل مرا سنبھل جائے

قتل کر مجکو مری نعش پہ بولا قاتل
ہائے یارو یہ گمان تھا؟ مجھے معلوم نہ تھا

گریان

دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر
مر جاوے وہیں وہ آہ بھر کر

سنگدلی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے
کہ دوشِ شمع پر رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

مضمون

ہم نے کیا کیا نہ ترے ہجر میں محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

میر مدد اللہ رند

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے
اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

منعم

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز
دل کے نگیں پہ نقش ہے نامِ خدا ہنوز

تصویر اُس کی کھینچ کے ناز و ادا کے ساتھ
نازاں ہے اپنے آپ پہ دستِ قضا ہنوز

محمد تقی میر

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

کہاں آتے میسر تجکو مجھ سے خود نما اتنے
یہ حسن اتفاق۔ آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے
جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا
جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اٹھے
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

گذرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا
کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میر
سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانند شمع آتش غم سے پگھل گیا
بزم جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخ زرد پر مرے
کہتا ہے۔ میر رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

رخصت سیر باغ ہمیں نہ ہوئی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل
اک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

کی سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شب کو
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہوگا کسی دیوار کے سایہ میں پڑا میر
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگسِ بیمار دیکھ کر
جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسماں لیے کوچہ سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

آتا ہے جی میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں
پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اس بن
کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آوے
اس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہیں فارغ ہوئے شتابی سے

دمِ نزع دشوار دی جان اس نے
مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مر گیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یاں
نومیدی اور امید مساوات ہو گئی

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منھ بھی چھپا کر چلے

بے بسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے ۔۔۔ نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں
اُس کے کوچہ میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر ۔۔۔ ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں
اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں ۔۔۔ یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے
ڈوبے اُچھلے ہے آفتاب ہنوز ۔۔۔ کبھی دیکھا تھا تجھکو دریا پر
اِن دنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو ۔۔۔ خوش رہو میرؔ مری جان جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے ۔۔۔ خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر ۔۔۔ مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مِنّت

مِنّت ایسے کو دل دیا تو نے ۔۔۔ اے مری جان کیا کیا تو نے

مُحِب

عارض اُس کے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے ۔۔۔ جس طرح شبنم سے دو گلبرگِ تر بھیگے ہوئے
اشک سے مژگاں ہیں نم تجھ تک پہنچتی نہیں نگاہ ۔۔۔ مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

ممتاز

ڈروں میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا ۔۔۔ میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا
جفائے یار نے کس طرح کر دیا مایوس ۔۔۔ اور اپنی خاطرِ امیدوار میں کیا تھا
تری ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک ۔۔۔ وگرنہ ہستیِ ناپائدار میں کیا تھا
عشق میں عرضِ تمنّا مانعِ دیدار ہے ۔۔۔ میرا ہی دستِ عاجز پردۂ دیوار ہے

یادِ اُس شوخ کی اِس دل میں بھری رہتی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ اُس گھر میں پری رہتی ہے

محترم

محترم کیا بیاں کروں تجھ سے
اِس دلِ داغدار کی صورت

مستمند

نزع تک وصل کی ہے یار اُمید
ہے مثل ایک دم ہزار امید

مائل

کہتا نہ تھا کہ باز آ ہر دم کی اس ہنسی سے
آخر گیا نہ ظالم اِک بیلے گناہ جی سے

مصحفی

جہاں کا گل بنے وہ شوخ یارب
مجھے تو اُس چمن کا خار و خس کر

وقفہ

اے پیکِ نگہ۔ دیدۂ تر ہے درپیش
دن ہیں برسات کے اور رہ میں خطر ہے درپیش
دلِ حیراں کی مری دیکھئے صورت کیا ہو
اب تو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش
ہے نہاں داغِ جگر زخم نمایاں کے تلے
جس طرح لالہ کہیں ہو گلِ خنداں کے تلے
آشیاں بندی کی تکلیف نہ کر ہم کو ہوس
گر رہیں گے کسی دیوارِ گلستاں کے تلے

مجذوب

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر
صیّاد نے سُنا یہ ترانہ تو ہم رہے
عجب قسمت ہے اپنے دل کی بازارِ محبت میں
جو کوئی صبح اُس کو لے گیا تو شام لے آیا

ناجی

اُس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

ولی

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ اسے حال مرا یاد نہ آیا

صنم کے لعل پر وقت تکلم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم

زندگی جامِ عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں مہرو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اے جانِ ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنت سے بہار کیوں کہ جاوے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو
کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

وحشت

لگتا ہے مجھکو آج یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مر گیا ہے کوئی خانماں خراب

وفا

حسنِ عمل پہ اپنے نہ پھول اس قدر کہ شیخ
واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں

دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں
آخرش وہ بھی جان رکھتا ہے

بس کہ اپنے انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بسترِ گل پر بھی لرزاں ہے قدم دھرتے ہیں ہم

کل کا وعدہ کر لیا ہے اس نے اے محرم تو کیا
یاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی مرتے ہیں ہم

نہ کشتی پار ہی بہہ کر گئی اپنی نہ وار آئی
ہوئے ہیں غرقِ دریا اس گھڑی جب عین دھار آئی

شب و روز وصل کو روئیے کہ عجب وہ سیل و نہار تھا
کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی ناز تھا کبھی پیار تھا

یکرنگ

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے

خیالِ چشم و ابرو کر کے تیرا — کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدانِ کربلا — گلزار کی نمط ہے بیابانِ کربلا

اندھیر ہی جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ — ہے سر بُریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

یاؔر

جائے سنگِ لوحِ تربت نصب کیجو آئینہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کشِ دیدار تھا

آفریں اے دستِ گستاخِ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ھار تھا

۱۶ / نومبر ۱۹۲۱ء
حیدر آباد (دکن)

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخن سنجان مضمون پرور را حمد قادرے کہ زبانِ لال قلم را از سرمۂ دودۂ ہیچشم منقار بلبلاں نمودہ محال، و نکتہ پردازانِ معنی گستر را ثنائے صانعے کہ حسنِ شاہد مضمون را در آئینۂ الفاظ جلوۂ عروسی دادہ بہ نظرِ صاحب نظراں در آوردہ اند وہم ست و خیال، سبحان اللہ شبہ را ہوسِ منزّہ در سر آید لاحول و لا قوۃ الا باللہ، چہ حمدے کہ سزاوار محمدت اوست بزبانِ محبوبِ خود فرمودہ، الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین، و غریقِ بحرِ معصیت از زبانِ زباں کار نعتِ معجز بیانی کہ شادابیِ کلامش سبعۂ معلّقہ را از عرقِ خجالت فصحائے بطحا را شستہ بچہ رو گویا نمحضِ جرات ست و مجال، چہ نعتے کہ در خورِ لیاقت او ست محبّ او فرمودہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین و ایاک نعبد و ایاک نستعین، او صیاے او کہ بہر صراط المستقیم اندر روندگانِ طریقِ ہدایت را و خضر راہند گمگشتگانِ بادیۂ ضلالت را، در منقبتِ ایشاں از خود چہ انشا کند غیر ازیں مناجات کہ اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین - اما بعد ایں پروردۂ آغوشِ رنج و محن اسیرِ دار الحزن میر غلام حسن ابنِ میر غلام حسین بن میر عزیز اللہ را تمنائے آں شد کہ تذکرۂ سخن آفرینانِ ہندی زبان را کہ چمن چمن گلہائے رنگین معانی و گلشن گلشن نازک خیالی در گریباں دیوانہا ریختہ اند دستہ بندِ صفحۂ اوراق نماید تا ہر صاحب نظرے از تماشائے آں بحمدِ صانعِ حقیقی ذاکر شود

کہ مصنوعِ اویک عروس را بہ ہزاراں ہزار بوئے معانی پیچیدہ، اگر عاشقانہ است بیاباں بیاباں وحشت در دوست و گر مجنونانہ است جفا جفا غمزہ با دوست اگر بزمیہ است محفل محفلِ طنازی ست و گر رزمیہ است میدان میدانِ جانبازی ست اگر تعریف خوش خرام ست قمری سرو قالی شان خندہ کبک بر کوہسار دارد، و گر تعریفِ تیغ خون آشام ست دمِ او شمک بر برقِ خاطف می زند، غرض ازیں جا ثابت می شود معنیِ الحمد کہ جمیع محمدت محمودِ حقیقی ست، و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ مآب، پس از دریافتِ حالِ خیر مآلِ ہر صاحبِ سخن ثمّہ کہ از دوستانِ حقیقت داں مسموع نمودہ در ذیلِ اشعارِ ہر یک نوشت و مطابقِ حروفِ تہجی نامِ ہر یک را ضبط نمود تا جویائے را تردد نہ افتد، دعائے خیر خلف و سلف نماید، مدعائے فقیر از ذکرِ جمع کثیر ہمیں ست و بس، شاید بہ طفیلِ ایں بزرگان کسے را توفیق در حقِ ایں جامع آید، باللہ التوفیق و الیہ التکلان۔

ذکرِ اول، بادشاہِ جمجاہ سکندر سپاہ ظلِ اللہ شاہ عالم بادشاہ، باوجود شغلِ جہانبانی و فرمانروائی گاہ گاہ حسب اتفاق زبانِ الہام بیان را بہ گفتن رباعی و بیتے کہ عبارت از فارسی و ریختہ نیز باشد گلفشاں می نماید و آفتاب تخلصِ او و دریں زماں اظہر من الشمس ست خلد اللہ ملکہ و افاض اللہ برہ و احسانہ، من غزل

صبح تو جام سے گزرتی ہے ۔۔۔ شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے ۔۔۔ اب تو آرام سے گزرتی ہے

بعضے از احوال متقدمین
حروف الف سلک متقدمین

باید دانست کہ ریختہ اول از زبانِ دکھن رواج یافتہ فقیر اللہ "آزاد" تخلص از حیدرآباد، بود در صغر سن یتیم شد اہلِ محلہ عزیز می داشتند، چوں بحدِ بلوغ رسید عشق گل رخے ورزیدہ مانندِ عندلیب نالاں بہ آہ و فغان بسر می نمود و برنگِ صبا سراسیمہ می گشت، یک جا قرار نمی گرفت چنانچہ ہمراہ فراقی دکھنی در شاہ جہان آباد آمدہ بود طبع دردمندی داشت و بسیار بہ صفا حرف می زند خدا لش بیامرزد، از وست ؎

[1] کوئی کسی ہی فن میں مجھ ساتھ بر نہ آیا · پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

احمد گجراتی از قدیم ست دگر احوالش معلوم نیست ؎

ہوئے دیدار کے طالب خودی سی خود گزر نکلے · نہ پائی راہ دانش میں خرد شاں بے خبر نکلے

محمد افضل "افضل" تخلص از قدیم ست کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برو عاشق شدہ حسب حالِ خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں و گانیاں مشتاق ادمی باشند نصفے فارسی و نصفے ہندی دارد لیکن قبولیت دادالہی ست برد لہا اثر می کند از وست

پڑی ہے گل میں میرے پیم پھانسی · مرن اپنا ہے اور لوگوں کو ہانسی
مسافر سے جنھوں نے دل لگایا · اُنھوں نے سب جنم روتے گنوایا

اوحدی تخلص از پیرزادہائے حیدر آباد بود اوّل در شعر و شاعری و آخر بعبادت گزرانید غفر اللہ

درین ہستی نگاہ کو ہائل نکو کرو · یہ دکھ ایس کے واسطے حاصل نکو کرو

احمد گجراتی دیگر در زبانِ سنسکرت و بھاکھا می گویند کہ تصانیف بسیار دارد چون معاصر شاہ ولی اللہ ولی بود دو سہ ریختہ نیز گفتہ، خدایش بیامرزد ؎

شب جھوٹے وعدوں پر جو ترے ہم بہک گئے · کوئی لاکھ بار گھر سے اُٹھے در تلک گئے
پوچھی تھی کل بتاں سے کہیں دل کی میں خبر · سو آج لا کے سر سے وہ میرے پٹک گئے
احمد بتا میں کیا کروں اب راہِ عشق میں · سر پر تو سانجھ پڑ گئی اور پانو تھک گئے

امجد تخلص نیز شخصے از قدیم ست، اکثر قوالان این غزل او را می خوانند ؎

سنتا تھا جسے کعبہ و بت خانہ میں آخر · امجد میں اُسے حضرتِ انسان میں دیکھا

از حروف الف ذکر احوال متوسطین

از آخر فرخ سیر و ابتدائے سلطنت محمد شاہ بادشاہ خانِ مغفرت نشان سر گروہ سخن سنجان اُستاد اُستادان ہندوستانِ جنت نشان چراغ دودمانِ گفتگو سراج الدین علی

---

[1] تذکرۂ شعرائے ہند مؤلفہ ڈاکٹر فیلن و مولوی کریم الدین میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے ؎
سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں

خان آرزو، بعد امیر خسرو دہلوی چنیں صاحب کمال پرگو خوشگو بسامع عالمیان نہ رسیدہ
ہفت دیوان دارد کہ ہر یکے پہلو بہ نظیری و فغانی می زند و دیگر چند تصنیفات دارد
فکر صائب او تزلزل در ارکان مضامین مبتذل انداختہ شاعر فارسی و عالم فاضل شہرۂ آفاق
در سخن فہمی طاق، استادان ریختہ نیز شاگرد او یند، برائے تفنن طبع دو سہ ریختہ خود ہم فرمودہ
نور اللہ مرقدہٗ، ؎

جان تجھ پہ کچھ اعتماد نہیں — زندگانی کا کیا بھروسا ہے
میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے — زاہد نے آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے
رکھے سپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
آتا ہے صبح اٹھ کر تیری برابری کو — کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

اسد یار خاں المتخلص بہ "انساں" مردے بود بکمال انسانیت و قابلیت، دراں زماں بہ پایۂ
امارت رسیدہ بسیار بکر و فر معاش می نمود، خدا لش بیامرزد ؎

نہ دیکھی اک جھلک بھی آن کر تن بیچ اندھوں نے — اگرچہ ہر بن مو سے بدن سارا تبکتا ہے
زمین و آسمان و مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں — نظر بھر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکتا ہے
سودا خیال خال کا سر سوں گزر گیا — تل باندھتے تھے جس میں وہ کملی نہیں رہی

باید دانست کہ سخن سنجان آں زماں در پئے صنعت ایہام می بودند و تلاش لفظ تازہ می نمودند
چوں طرز تازہ بود خوش می آمد لیکن اکثرے ازیں بحر گوہر شہوار بردند و بعضے بسبب تلاش
لفظ خذف ریزہ بہ کف آوردند، چارو ناچار برائے یادگار قلمی می نماید معذور باید داشت۔

محمد اشرف ہمعصر میاں آبرو شخصے بود ؎

بے پل میں نیم خوابی تو ڈر بڑے گالیاں — اس غم سے خاک عاشقاں سیسوں بیچ ڈالیاں

مرزا اکبر قلی اکبر آبادی ؎

جا کہہ نسیم گل سے سرما کا خوف مت کر — بلبل کے بال پر سے توسی بنا دو شالا

"افکار" تخلص ؎

چاہیئے گر بت کو پوجو دل کو بتخانہ کرو   رام ہی سرجن تمھارا گھٹ میں پیدا کرو

خواجہ زین العابدین آزاد، تخلص جوان محمد شاہی بود، از وست ؎

جبھی بلبل نے چھوڑے شعلۂ آواز کے چٹکے   تبھی گلشن کے سارے جل اٹھے گل اور کنول دہکے

آبرو، غنچۂ گلزار گفتگو از شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک المتخلص بہ آبرو، نبیرۂ حضرت محمد غوث گوالیاری نور اللہ مرقدہٗ از ابتدائے جوانی مشق سخن می کرد شاعر خوشگوے در وقت خود بود، خدا یش بیامرزد ؎

دل تو دیکھو آدم بے باک کا   عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی   اس دل بے قرار کی صورت

کریں جو بندگی ہوویں گنہگار   بتاں کی کچھ نرالی ہے خدائی

بوسا لباں سیں دینے کہا کہہ کے پھر گیا   پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی   ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے   یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں   اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

اٹھ چیت کیوں جنوں سیتی خاطر نخنت کی   آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا اب تک نہیں مجھ کوں   طرح وہ پانو رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ہے

آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر   خون کرنے کو چلا عاشق پہ تہمت باندھ کر

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بیحاصل ہے یہ   لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

کہتا ہوں میں پکار سنو کان دھر سجن   جو اور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں

میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے   کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

زلف کی شان ٹک اوپر دیکھو   کہ گویا عرش پہ لٹکتی ہے

کیا ہوا گو کہ مرگیا فرہاد — روح پتھر سے سر پٹکتی ہے
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدہر گئے — وے عاشقی کے آہ زمانے کدہر گئے
نچھوڑیگا پیارے جی کسی کا — ہمارا ہنس کے یہ کہنا اجی کا
زندگی ہے سراب کی سی طرح — باو بندی حباب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بسی تجھ کو — مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح
تب سیتی دل کو بے قراری ہے — جب سے ملنے کا کر گیا ہے قرار
جلتا ہے اب تلک ترے مکھڑے کے رشک سے — ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل
نالہ ہمارے دل کے غم کا گواہ بس ہے — دینے کے تئیں شہادت انگشت آہ بس ہے
دل کب آوارگی کو بھولا ہے — خاک گر ہو گیا بگولا ہے
شوق سے جس گھر میں ہو تو جلوہ گر — آئینے ہو جائیں دیواروں میں دل

شاہ ولی اللہ درویشے بود بکمال خوبی و اخلاق المتخلص بہ اشتیاق، از اولاد مجدد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل مولد او سرہند بود در کوٹلۂ فیروز شاہ کہ در شاہ جہان آباد مشہور ست مسکن داشت از جملۂ اوستادان ایہام بندان بود، الحق کہ بسے خوش فکر و خوش تلاش، از وست ؎

چھوڑ کر تجھ کو ہمیں اور سے جو لاگ لگی — نہیں یہ مہندی ترے تلووں سے ہی آگ لگی
بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
دوبالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے — پیالا اور بھی پی لے سجن یہ دور چلتا ہے

در وقتیکہ نواب روشن الدولہ مغفور از شاہ جہان آباد تا درگاہ قطب صاحب کہ عرصۂ ہفت گروہ خواہد بود چراغاں کردہ بود در ان باب گفتہ بود ؎

ایسا مرید کیوں نہ دو عالم میں نستر سے
پیروں کی راہ میں جو کہ روشنیا کرے

میاں احسن اللہ احسن تخلص در ہمان عصر مرشدے بود بجمال خوبی طبعش بسیار مائل ایہام بود خدایش بیامرزد از وست ؎

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ — کہ حُسن خوبرویاں عارضی ہے
آم نستعلیق کا ہی اُس بُتِ خوش خط کی زلف — ہم تو کافر ہوں اگر بندی ہوں اسلام کے

علی احسن خاں، خان ساماں عمدۃ الملک امیر خاں احسن تخلص خدایش بیامرزد از وست

مدت ہوئی ہی دل کو وہ دلبر کے ساتھ ہے — دل تو ہماری ہاتھ نہیں اُس کے ہاتھ ہے

الف خاں بہ لباس فقیری بسر میبُرد، از وست ؎

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا — مجنوں یہ چندروز بھلا کیوں کہ جی گیا

ہنگن خاں متخلص بہ افغان رَوَّنہٗ سرکار امت الحبیب بود موافقِ نام و نسب خود میگفت ؎

خسرو سے ملی شیریں جب شیر و شکر ہوکر — پتھر سے پٹک سر کو فرہاد بہت رویا

نواب امیر خاں از اُمرائے عظام و ظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع و شیریں کلام از مقربان درگاہِ فردوس آرامگاہ بود، لطائف و ظرائفِ او مشہور و معروف ست گاہ گاہ اشہب فکر را بحسب اتفاق در میدان نظم نیز جولان می نمود، نمک حرامی او را بمشورہٗ دشمنانش سرِ سواری اندرونِ قلعہ شاہجہاں آباد شہید کرد، غفر اللہ لہٗ از وست ؎

ٹک تو فرصت دی کہ رخصت ہو چلیں صیاد ہم — مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم
ہیں بلائی بھیڑیں یہ مجھ سے نادانی ہوئی — دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

سید عالی نسب والا حسب غنچۂ گلشن افکار میر جیون المتخلص بہ افگار از شاہجہاں آباد است بیشتر فکر منقبت میکرد از مدتے برائے زیارت مشہدِ مقدس رفت از بسکہ عقیدہٗ درست داشت بر مزارِ مقدس بہ قرآن خوانی جا یافت، نقل است

روزے خادم اونجا مثلِ دیگر فقرا از لنگرخانہ بہ میرِ موصوف شولہ تقسیم کردہ بود درخواب بشارت یافت کہ ایں عزیز از برائے ما از ہند آمدہ است ایں را از طعمۂ خاص میدادہ باشند، خوشا بحال شخصے کہ امام زماں سفارش او نماید یک شعر دریں ولا در مدح از و بجا گفتہ فرستادہ است الحق کہ مضمون تازہ یافتہ است خدایش سلامت دارد ؎

علی کا بیاہ ایسا جگمگا تھا شبِ معراج جس کا رتجگا تھا

فقیر حسن مطلع رسانیدہ اگر قبول افتد زہے طالع ؎

وہ شعلہ طور کا جو تھا سو اس رات مثالِ شمع تختوں پر لگا تھا

قزلباش خاں اُمید تخلص مرشے بود تازہ ولایت، دیوان فارسی از و مشہور است بسیار خوش معاش و یار باش بود با مردم ہندوستان بسیار اختلاط داشت واز صحبت ایں مردم علی الرغم قوم خود خوش بود خدا ایش بیامرزد، از وست ؎

در و دیوار سے اب صحبت ہے یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

از حروف الف بعضے از احوال متاخرین

گہر سلک متاخرین اثر از فصحائے نامدار و صلحائے کامگار خوش اوقات و نیک سیر عرف محمد میر المتخلص بہ اثر، درویشے است موقر و صاحب سخنے است مؤثر عالم و فاضل رتبۂ قدرش بغایت بلند گوہر صدرش نہایت ارجمند برادر خورد خواجہ میر درد دام افضالہ شرح رسالۂ درد او را مشابہ تواردِ بکمال قوت زور نوشتہ در خدمت برادر بزرگوار خود گوشہ نشینی اختیار کردہ و قدم بر جادۂ بزرگان خود نہادہ بسر می برد، حق تعالیٰ سلامت دارد ؎

بن رفع اب خیالِ مے و جام ہو گیا ساقی بیک نگاہ مرا کام ہو گیا
میرے تئیں تو کام نہ تھا کچھ بتوں سے آہ پر دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا
کچھ ان روزوں دل اپنا سخت بے آرام رہتا ہے اسی حالت میں یکسر صبح سے تا شام رہتا ہے

کلیجا پک گیا میں کیا کہوں اس دل کے ہاتھوں سے
ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس میں خیالِ خام رہتا ہی

بیاں میں کیا کروں اب اس سی آگے اپنی ناکامی
ترے یہ طور اور مجھکو تجھی سے کام رہتا ہی

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں
پر ہمیں آہ کچھ خبر ہی نہیں

دردِ دل چھوڑ جایئے سو کہاں
اپنے باہر تو یہاں گزر ہی نہیں

تیری اُمید چھٹ نہیں اُمید
تیرے در کے سوائے در ہی نہیں

حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری تو معتبر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے
اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

جو سزا دیجے ہے بجا مجھکو
تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھکو

وہی میں ہوں اثر وہی دل ہی
اب خدا جانے کیا ہوا مجھکو

کیا کیجے اختیار نہیں دل کی چاہ میں
ہیں سب وگرنہ تیری یہ باتیں نگاہ میں

ایسے کے خیر خواہ ہوئے ہم کہ جس کو آہ
بدخواہ ہی میں فرق نہ کچھ خیر خواہ میں

اثر کیجیے کیا کدھر جایئے
مگر آپ ہی سے گزر جایئے

کبھو دوستی ہی کبھو دشمنی
تری کونسی بات پر جایئے

بس ہو یارب یہ امتحان کہیں
یا نکل جائے اب یہ جان کہیں

وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں
میں کہیں اور کاروان کہیں

صَرفِ غم ہم نے نوجوانی کی
واہ کیا خوب زندگانی کی

بیوفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں

یا خدا پاس یا بتاں کے پاس
دل کبھی اپنا یہاں رہا ہی نہیں

دل سی جو چاہیئے سو باندھئے بات
میں نے واللہ کچھ کہا ہی نہیں

ہم ہیں بیدل دل اپنے پاس نہیں
آہ اس کا بھی تجھکو پاس نہیں

پوچھ مت حالِ دل مرا مجھ سے
مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں

بیوفا تیری کچھ نہیں تقصیر — مجھکو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے — پر اثرؔ کی ہمیں تو آس نہیں
میں کہاں تو کہاں یہ کہتے ہیں — کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں
عاشقی اور عشق کی باتیں — سب جہاں سے اثرؔ کے ساتھ گئیں
آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا — آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا

"الم" منبع اشفاق و کرم میاں صاحب میر المتخلص بہ الم، بزرگ و بزرگ زادۂ عالی نسب والاحسب خلف حضرت خواجہ میر دردؔ چندے بہ فیض آباد تشریف آوردہ بود الحال پیش پدر بزرگوار استقامت وارد گاہ گاہی فکر دو سہ بیت ہم می نماید خدا سلامت دارد از وست ؎

نہ دل کو قرار بیقراری کے سبب — نہ چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھی ہم توان بلاؤں سے کبھی — یہ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

محمد اجمل اجملؔ تخلص الہ آبادی است، از فرزندان شاہ خوب اللہ بکمال فضیلت و آدمیت تحصیل علم و تربیت در خدمت برادر بزرگوار خورد شاہ غلام قطب الدین المتخلص بہ مصیبت یافتہ شاعر فارسی است چند کتاب تصنیف نمود بندہ با وے دو سہ ملاقات کردہ و کلامش شنیدہ الحق کہ کمیت فکرش در عین جولانی و رشتۂ سخنش چوں لف زلف گلرخاں طولانی، گاہ گاہ ریختہ ہم میگوید، چوں محاورۂ ایں زبان جدا است خود از کم مشقی خود اظہار عجز دارد بسیار منصف مزاج است الحال مسند نشین حضرت شاہ خوب اللہ او ست حق تعالیٰ بسیار سلامت دارد۔ از وست ؎

ہو گیا خون ناب آنکھوں میں — تھا جہاں تک کہ آب آنکھوں میں
شب فرقت میں تیری اے ظالم — ہو گیا خواب خواب آنکھوں میں
شاد تھا دل سے طرفہ بزم میں جب جانا نہ تھا — ہائے کیسی رات تھی جب رات وہ ہمخانہ تھا

ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار — پھر جو کل دیکھا میں اجمل کو وہی دیوانہ تھا

خان عالی شان محمد یار خاں المتخلص بہ امیر ولد علی محمد خاں روہیلہ بسیار خلیق وجوہر شناس طبع موزوں دارد از محمد قایم مشورہ شعر دارد، خدا قایم دارد.. از وست

اس منہ سے الا کچھ نہ نکلا — جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا

دیکھی جو میں سرنوشت اپنی — جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا

میر اسد علی اسد تخلص، سید عالی نسب درکمال وجاہت از شاگردان مرزا رفیع سودا اصل از شاہجہاں آباد است الحال از سبب پریشانی روزگار طرف مرشد آباد رفتہ خدایش سلامت دارد ہیچو گنجفہ خوب گفتہ و بسے دُرہائے معانی شگفتہ طبع رسائے دارد، از وست

کس جنگجو کی صبح کو باتیں نکالیاں — باہم صبا چمن میں اُلجھتی ہیں ڈالیاں

جیوں توں اسد کو لائے تھے اُس کی گلی سے ہم — خانہ خراب راہ میں پر پھر مچل گیا

میر ظفر علی آزاد، تخلص دردمند و عاشق مزاج اصل وے شاہجہاں آباد است در مرشد آباد مقیم است بیشتر فکر فارسی می نماید نقل است کہ یکے از کنیزان شخصی پیا بیگم نزاکت نام براو عاشق شد ہر چند کہ عدم ملاقات بود لیکن نہاں نہاں ازاں شعلۂ آتش در دل داشت از اثر آہش طرف ثانی را نیز گرمی ہم رسید روزے صاحبۂ او پرسید کہ چرا چنیں حال داری آں زن مردانہ گفت ہر چہ خواہی بکن بر فلانے عاشقم صاحبہ در غضب شدہ بزیر چوب کشید و قید کرد، میر مذکور ایں خبر شنیدہ بسیار گریست و گفت

معشوق ز رسوائی من خانہ نشیں شد — ایں بود سزائے نگہ بے ادب ما

غرض کہ سخن میر خالی از نزاکت نیست سلامت باشد

پوچھتے کیا ہو کہ بیداد کروں یا نہ کروں — یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں

وعدۂ وصل تو کرتے ہو مگر سچ کہیو — دل کو اس وعدے سے میں شاد کروں یا نہ کروں

خانہ اکدم کے لئے سیل ہے مانندِ حباب — متحیر ہوں کہ بنیاد کروں یا نہ کروں
مرغِ دل تیری جدائی سے پڑا تڑپے ہے — اس کو کیا حکم ہے آزاد کروں یا نہ کروں

خواجہ امین الدین امین تخلص ساکن مرشدآباد است ذکر احوالش معلوم نیست سلامت باشد از وست ؂

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی — دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

میر غلام علی اظہر تخلص متوطن شاہجہان آباد از شاگردانِ میر شمس الدین فقیر طالب علم در فنِ شاعری مربوط دیوان فارسی پُر مضامین دارد الحال مائل ریختہ نیز گردیدہ چوں سررشتۂ سخن معلوم است خوب خواہد گفت طبعش دقت پسند افتادہ است خدایش سلامت دارد از وست ؂

ساقی بہار آئی میرا ایاغ خالی — انصاف بھی ہے ظالم مت کر دماغ خالی
اب تو ہر ایک سے طلب کرنے لگے چاہ نئی — ہے یہ آئین وفا میں تمہیں سے راہ نئی
نہیں یہ مردمکِ چشم ساتھ آنسو کے — نکل کے داغِ جگر جم رہا ہے آنکھوں میں

میر عاصی آبجوئبار شرافت و سروِ بوستانِ سیادت گل گلزار ہاشمی میر برہان الدین عاصی شاعر ریختہ گو و مرثیہ گو بود متوطن شاہجہان آباد در بہادر پورہ استقامت داشت در علم تاریخ و شمشیر شناسی و لطیفہ گوئی دستے بہم رسانیدہ بود از چندے بہ رحمت الٰہی پیوست خدایش بیامرزد ؂

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا — ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں — بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا
مثالِ آئینہ ہم نے سبھی نقشِ جہاں دیکھا — جہاں دیکھا ہر صورت تجھی قالب میں جاں دیکھا
قیامت کی عقوبت ساری ہجرِ یار میں گزری — وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا
نشے نے میکشوں کے کیا فلک پر سر اٹھایا ہے — کہ بادل بھی سیہ مست ہو چمن پر جھوم آیا ہے

مجھے تھا دھیان زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا — خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے

میر امانی ولد میر عاصمی، جوانے بود بکمال خوبی طبع موزونے داشت با فقیر بسیار آشنا بود بیشتر فکر مرثیہ می نمود از ینجا بسبب پریشانی روزگار بطرف مرشدآباد رفت نقل وفات او عجیب و غریب است، روزے در خانۂ شخصے مجلس امام مقرر بود، میر مذکور بعادت خود بر منبر رفتہ مرثیہ برخواند نصفے نخوانده بود کہ بر مردم رقت گردید چنانچہ خود ہم گریست و پشت بر دیوار منبر داده مانند تصویر ساکت گردید مردم گمان بردند کہ حالا بند دیگر خواہد خواند چون خاموشی بطول انجامید اکثر اشخاص برخاستہ دیدند کہ جان بجان آفرین سپرد، خوشا بحال کسے کہ در غم امام علیہ السلام جان بحق تسلیم کرد و مشق شعرش بہ پختگی نرسیده از بسکہ مصروف مرثیہ بود خدایش بیامرزد ؎

شور بر کوہ و بام کرتا ہے — دل بڑی دھوم دھام کرتا ہے
نہ وہ سنتا ہے وہ امانی حال — نہ تو قصہ تمام کرتا ہے

رائے پریم ناتھ خلف رائے کشن ناتھ از قوم کھتری است قائم در تذکرۂ خود نوشتہ کہ ظاہر حالش چون طبع خویش موزون و موزونی طبعش از خوبی ظاہر افزون، خطاط بے نظیر و کماندار دلپذیر غزل فارسی بسیار بخوبی میگوید گاه گاہے فکر ریختہ ہم میکند از وست

آن بولنا سخن کا میٹھا لگے ہے دل کو — خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی

آشنا تخلص شخصے شنیده ام بفقیر آشنا نیست از کلامش معلوم میشود کہ فی الجملہ آشنائی باسخن دارد، معلوم نشد کہ کجاست ہر جا کہ باشد سلامت باشد از وست ؎

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا — درد دل سے خبر نہیں رکھتا
کس طرح دل میں جا کروں اُس کے — نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
کبھو تو مہرباں ہو ہم پہ اے بُت — کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے
آشنا کیا بنے گی آخر کو — تجھ سے خانہ خراب کی صورت

آشنا وہ نہووے گا میرا　　یادرکھیو تو عاشقوں کی بات

خواجہ اکرم مرد خوبے بود در شاہجہان آباد، معلوم نیست کہ الحال کجاست در گفتن تاریخ خیلے مہارت داشت، ہر حرفے و سخنے کہ میگفت و اندکے تامل میکرد تاریخ برمی آمد۔ **از وست** ؎

ایکبار مرے دیر میں زاہد اگر آوے　　میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

مرزا حسن علی چراغ بزم سخن مظہر اخلاق حسن مرزا حسن علی المتخلص بہ احسن اختر فکرش در اوج و خضر طبعش پُر موج، جوانیست خوش خلق و نیکخو اصلش از عرب است نشو و نما درینجا یافتہ از متوسلانِ محمد یونس خاں اوائلِ استفادہ از میر ضیا حاصل کردہ الحال شعرِ خود را پیشِ مرزا رفیع میگذراند، قصیدہ و غزل خوب میگوید بوسیلۂ شاعری در سرکار **نواب شجاع الدولہ** سرفرازست، طالب علم است و دو سہ خط ہم خوب مینویسد خدا سلامت دارد۔ **از وست** ؎

خاکِ چمن میں کس کی ملی آرزوئے دل　　جو غنچہ یہاں کھلے ہی تو آتی ہے بوئے دل
جو دل اُدھر گیا سو وہ ماٹی میں مل گیا　　تیری گلی میں خاک کریں جستجوئے دل
ہے مجھ میں رمق دیدہ تجھے تا نگراں ہے　　جوں شمع مرا تارِ نگہ رشتۂ جاں ہے
کیوں کر نہ کروں نالہ و فریاد میں احسن　　مانندِ جرس دل مرا لبریزِ فغاں ہے
یارو وہ صنم کیوں کے کرے کام خدا کا　　رام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
صبح کا نکلا وہ گھر سے جب نہ آیا شام کو　　تنگ پایا جی پہ میں کیا عرصۂ آرام کو
سر اپنے کو جوں لے گئے ہم اُس کی قدم تک　　پہنچا دیا ٹھوکر نے وہ وہیں ملکِ عدم تک
لطف سے کیجے ادھر بھی تو نگاہ ہے گا ہے　　شاد ہر لحظہ نہیں کرتے تو گاہے گاہے
دل بھرے اپنے کو کس طرح کیجے خالی　　اس کی غیرت نے نہ دی رخصت آہ ہی گاہے
ابتو غمازوں نے وہ بات بھی کھودی یارو　　گھیر کر بیٹھتے تھے جو سر راہے گاہے

محروم ہم ہوں محرمِ اسرار ہو کوئی
خلوت میں ہو کوئی پسِ دیوار ہو کوئی

راتوں کو اُس کے کوچے میں جاتا تو ہوں ولے
دھڑکے ہی دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی

عشق کی آتش جلے ہی یوں دلِ مایوس میں
جس طرح شعلہ ہو روشن شمع کا فانوس میں

سجدہ گہہ ہی خاکِ احسنؔ اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اُس نے کس کی حسرتِ پابوس میں

پہنچی جس وقت مجھے اس کی خبر آنے کی
سدھ رہی مجکو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی

تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تلک حاضر ہی
بات ہی یہ بھی کوئی آپ کے فرمانے کی

دل کو نہ رکھوں سینے میں تو کیا کروں احسنؔ
جس جنس کا خواہاں نہو ناچار بغل میں

خواب میں جو روح تن سی غم سے یوں میں خستہ ہوں
گو دلِ وارستہ ہوں پر جا بجا میں بستہ ہوں

دل ہو دیدار سے مایوس تو مسرور نہو
چشم میں روشنیِ طور سے بھی نور نہو

کس طرح سے ملے آپس میں لبِ زخمِ جگر
یہ تو وہ در ہے کہ تجھ بن کبھی معمور نہو

بزم میں اُس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہی کہ میرا کبھی مذکور نہو

ہجر میں کیوں کر نہووے آہ و زاری بیشتر
ہی قرار اس دل میں کم اور بیقراری بیشتر

روزِ ہجراں ہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم
وصل کی راتیں کٹیں یوں ہیں ہماری بیشتر

نہ رویا مرتے مرتے تلک بھی تیری خوف سی احسنؔ
گئی سب خاک میں افسوس اُس کی حسرتِ گریہ

کل طلب میں مَی کی یوں ہم یار منہ کھولے رہے
نزع میں پانی کو جوں بیمار منہ کھولے رہے

دل کو خواہش ہی یہ کس کی تیر کی یارب کہ اب
شکلِ پیکاں ہوکے جوں سوفار منہ کھولے رہے

سخت مشکل ہی وہ خو گر منہ پہ رکھتے نقاب
اور جا ہیں چشم یہ دلدار منہ کھولے رہے

ق

جام مَی ساقی کے آگے لائی جوں مجلس کے بیچ
غیروں کو پیہم دئے اور یار منہ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرہ کو ترسا کئے
لُٹ گئے دو چار اور دو چار منہ کھولے رہے

خون احسنؔ کا نہ چاٹے جب تلک کب ہو تمام
اژدہا کی طرح وہ تلوار منہ کھولے رہے

ہاتھ سی تیرے اے فلک جان و جگر کباب ہی ۔۔۔ عیش جو کل نصیب تھا آج خیال و خواب ہی
چہرے سے اُس کی منفعل روئے زمیں کی ماہ رو ۔۔۔ جلوے کو اُس کے دیکھکر چرخ میں آفتاب ہی
زخم لگا کے سیکڑوں کرنے لگا شمار وہ ۔۔۔ جو ہوئی سو ہوئی دلا اب تو ہمیں حساب ہی
بلبے ترا جگر دلا ہو وے ہی سنکھ اُس کی تو ۔۔۔ تیغ نگہ سے جس کے اب زہرۂ برق آب ہی
کیجیے ٹک بچشم خود سیرِ دل پر آبلہ ۔۔۔ یار اس ایک شیشے میں سیکڑوں ہی حباب ہی
خونِ جگر سے روز و شب کیجے رقم کہاں تلک ۔۔۔ نامۂ شوق کی مرے شرح تو اک کتاب ہی
اس لئے کر کے مختصر تھوڑا سا کچھ لکھا تھا میں ۔۔۔ یہ ہی لکھا نصیب کا اس پہ بھی یہ عتاب ہی
نامہ پٹک کے ہاتھ سے آئینہ دیکھنے لگا ۔۔۔ اس سی یہ ہم پہ کھل گیا صاف ہمیں جواب ہی
یاد ہی احسن ان دنوں کن نے ہمیں بھلا دیا ۔۔۔ سینے میں دل کو اپنے کچھ خود بخود اضطراب ہی

ولہ

دھمکائیے جا اُن کو جو مرگ سے ڈرتے ہیں ۔۔۔ ہم ہیں ترے پروانے جی دیتے پہ مرتے ہیں
تم غیر کے ہاتھوں سے واں جام چڑھاتی ہو ۔۔۔ یاں حلق میں لوہو کے سو گھونٹ اُترتے ہیں
[۵۱]تو دست بسر ظالم کب لیں ہمیں میسر ۔۔۔ سونا نہ سے ہاتھ اپنا ٹک سینے پہ دھرتے ہیں
چھٹتا ہی کوئی نالہ ہم سے دم آخر تک ۔۔۔ دم جب تئیں ہی دم میں دم آپ کا بھرتے ہیں
کھلتے ہیں اسیروں کے صد عقدۂ غم دل سے ۔۔۔ تجھ مکھڑے پہ زلفوں کی جب بال بکھرتے ہیں
پھر فصلِ بہار آئی جو ہوئے سو ہوا احسن ۔۔۔ مُغ پاس گرو ہم بھی دستار کو دھرتے ہیں

ولہ

کہا جو میں نے کہ رُخ کو ترے نظر نہ لگا ۔۔۔ بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا
رہی جو تن میں مری جان اک رمق باقی ۔۔۔ لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا
اسی لئے تو میں تجھ سے خفا ہوں ای احسن ۔۔۔ گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا

---

۵۱ یہ شعر اصل نسخہ میں اسی طرح لکھا ہی۔ رام پور کے نسخہ میں یہ شعر نہیں ہی۔

جب اُس کی آگے تھک جاتا ہوں میں جواب کہہ کہکے — تو کہتا ہی نہیں سمجھا میں پھر کہیو ذرا کہکے
اسی مُنہ سے تمھیں دعویِ مینخواری ہی اے حسرتؔ — ہوا ظرف آپ کا معلوم دو ہی جام میں بہکے

ولہ

ہوس لے آئی تھی اُس جنگجو کے پاس مجھے — نگہ لڑی تو رہے پھر نہ کچھ حواس مجھے

میر انشاء اللہ از خوبانِ جہان و خوش فکران زمان سخن آگاہ میر انشاء اللہ طبع تازہ و ذوق بے اندازہ شرابِ معانی و ذوقِ جوانی فرح بخش و مسرت افزاست خلف حکیم الحکما میر ماشاء اللہ دام افضالہٗ انشاؔ تخلص می نماید، جوانیست خوش ظاہر خوش طبع، با قبلہ گاہی دوست دلی است تو مشق است اکثر طرز او بطرز میر سوز میماند اصل وے از نجف است و مولد او بطرفِ بنگالہ خدایش سلامت دارد، از وست

گالی سہی جفا سہی چینِ جبیں سہی — یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
منظور ہم کو دل کا لگانا ہی جب ہوا — کیا آپ کا اجارہ ہی اس میں کہیں سہی

بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے — بولا ہی چل اُٹھ کدھر پڑا ہے
نالہ ہی تجھے تو کھینچ لایا — رونے کا اثر ابھی پڑا ہے
یوں سب سے نہ دل کہا تو بولا — تیرا ہی تو مجھکو ڈر پڑا ہے
جی دیں میں اپنی جان کے صدقے — یعنی اس نوجوان کے صدقے
کھا قسم جھوٹ بولے ہی کتنا — چُپ ہو چُپ بس قرآن کے صدقے

ہوئی ہیں خاک سرِ راہ اُس کے ہم انشاؔ — بڑا غضب ہی جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

نور خاں جو انیست از شاگردانِ شاہ واقف آگاہ تخلص میکند چندے از میر ضیا نیز اصلاح گرفتہ است بوسیلۂ قصہ خوانی بسر می برد، درین فن شاگرد میر احمد مرحوم است کہ بہ قصہ خوانی مشہور بود غرض جوانِ خوش ظاہر است خدایش سلامت دارد، از وست

منہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم چاہ کی — باتیں بنا بنا کے نہ کیجے نباہ کی

بے اختیار سیکڑوں دستار گر پڑیں — جب میری کجکلاہ نے ٹک کجکلاہ کی
عبادت گاہ ہی محراب کعبہ ہر مسلماں کی — ہماری سجدہ گہ محراب ہی اپنے گریباں کی

برغزل میاں حسرت بمشورۂ شاہ واقف گفتہ۔

جاں پاویں جو تجھے ایک نظر دیکھیں تو — تو بھی پردے سے نکل نورِ بصر دیکھیں تو

دیکھیں تو، در مصرعِ ثانی بعضے میگویند کہ حیثیت نیست البتہ جائے تامل است

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہی دم پا بر کاب — ہی کہاں کا ہمیں درپیش سفر دیکھیں تو
نہیں ممکن کہ ملیں مفت یہ بت عاشق سے — قطعہ — اپنے کوچہ میں بھی کر خاک بسر دیکھیں تو
زر اگر بر سرِ فولاد نہی نرم شود — آپ سے آتے ہیں گر ہاتھ میں زر دیکھیں تو

آشنائے خفی و جلی میر اعلی علی، از سادات عالیشان سپہر مکان ابن میر ولایت اللہ خان نور اللہ مرقدہٗ، مردیست خلیق و متواضع در مخمس نمودن غزل دستے بہم رسانیدہ است تضمین خوب خوب دارد منقبت و مرثیہ نیز میگوید و معجزات ہم از فکر او در منقبت مشہور است چنانچہ اکثر گدایان و نقشبندان میخوانند، مولد او در شاہجہان آباد است، وطن آبا و اجداد بطرف "توران" زمین است، حق تعالی سلامت دارد، ایں چند بیت ازاں بزرگوار است ؎

کیا ہی تیری آنکھوں نے نہ کچھ مجھ پر ستم خالی — ہوئی ہیں جان سی نرگس کے قالب یک قلم خالی
چمکنا برق کا مینہ کا برسنا کیا کرے دیکھیں — نہ ہنسنے سی وہ چپ رہتا ہی رونے سے نہ ہم خالی
بتو اللہ کی سوں دل مرا جب تک نہ حاضر ہو — نظر آتا ہی آنکھوں میں مری دیر و حرم خالی
لگاویں منہ نہ ہرگز دیکھ کر بے کیفیت اس کو — فلک گر دور میں اپنے ہمیں دے جام جم خالی
نجانے دل ستی اعلیٰ علی کے الفتِ ساقی — نہو اس ہی سے یہ شیشہ الٰہی ایک دم خالی
کوئی مانی کے صدقے ہو کوئی بہزاد کے صدقے — تری صورت لکھی جس ہم اس استاد کے صدقے
تو مٹت زاہد نے کیوں مسجد یہ تنہا نا کیا — تب تو اک صورت بھی تھی ایسا ف ویرانا کیا
نہ چھوڑا میں جھنجلا کے تارِ گریباں — رہی تا نہ گردن میں بارِ گریباں
جو ہاتھ اُس کے بندِ قبا کھولتے تھے — سو مشغول ہیں اب بکارِ گریباں

رباعی

ہر فعل میں ہم چست کہ چالاک ہوئے　　یا دخترِ رز کے ساتھ بیباک ہوئے
موقوف ہی زیست تک یہ سب کچھ زاہد　　جب خاک ہوئے تو سب طرح پاک ہوئے

میر شیر علی المتخلص بہ افسوس ابن میر علی مظفر خاں داروغہ توپخانہ عالیجاہ از شاگردان میر حیدر علی حیران، در بنگالہ بسیار شروت داشت الحال در سرکار نواب سالار جنگ بہادر سرفراز است جوانے است ظاہر و باطن آراستہ بحلم و حیا پیراستہ، ذہن سلیم و طبع فہیم دارد چندی از میر سوز نیز فائدہ بر داشت با فقیر از سبب ہمنشینی صحبت شعرا اکثر میشود ہر سخنے کہ میگوئیم از راہ منصفی درست میداند فکر اوائل را تمام شستہ و رفتہ میگوید وطن بزرگانش نارنول است، سلامت باشد از وست

جب تلک نہ عشق یار و نہ دلِ ناکام تھا　　اپنے تئیں کیا چین تھا اور دل کو کیا آرام تھا
بخشیو مجکو یں تجھے لوٹا ہی میں نے بھول کر　　دُزدِ دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا
وہ بیوفا تو مجھ سے ٹک ایک آج مل گیا　　پر اپنے اختیار سے، افسوس دل گیا
اُس قصے کو تو ہمدم کا ہیکو سُناتا ہی　　وہ بھولی ہوئی باتیں کیوں یاد دلاتا ہی
کوئی دل سے مری پوچھے جیسا ہی وہ ای ناصح　　گو تجھکو نہ خوش آیا پر مجھکو تو بھاتا ہی
کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہی　　تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہی
جس کو تیرِ نگہ لگا ہو گا　　ایک دم میں وہ مرگیا ہو گا
اُس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن بنی　　دیکھیے آگے آگے کیا ہو گا
ایک میں ہی نہیں اس کوچے میں جو جاتے ہیں　　واں کی ہو رہتی ہیں گھر اپنے سے وہ جاتے ہیں
کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب لیکن　　بھولے بھٹکے کبھی اس راہ بھی ہو جاتے ہیں
بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں نہ رو سکتے ہیں　　چُھپکے بیٹھے ہوئے ایک ایک کا منہ تکتے ہیں
اُس شعلہ وش کو دیکھکے بیتاب ہو گیا　　یا رو یہ تھا تو دل ہی پہ سیماب ہو گیا
پھر ہجر ہے وہی دن ہے پہاڑ سا　　وصلِ صنم تو رات کو اک خواب ہو گیا
صبح نت کرتا ہے یہ دل اشکباری بیشتر　　ہو سحر کو خانۂ ماتم میں زاری بیشتر

دل، تری بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار — بیوفاؤں سے رہی ہے تجھکو یاری بیشتر

میر ابوالحسن ولد میر عبداللہ، از اولاد بندہ نواز گیسو دراز، چون قبلہ گاہ این فقیر از نبیسہ ہائے بندہ نواز تینا برین یک رشتہ داری باہم با وی است مولدش شہر کہنہ کہ در شاہجہان آباد مشہور است در محلہ لال پلنگ از فیض صحبت خان عالیشان جانعالم خاں صاحب گاہ گاہی شعری و بیتے موزون می نماید حق تعالی سلامت دارد این یک قطعہ کہ بہ نگارش می آید الحق کہ مضمون تازہ یافتہ است از دست

ساکنان فلک نے کچھ تنہا — شہرت اس حسن کی نہیں ڈالی
مہ نہ پوچھو، ہجوم انجم سے — پھرتی ہے آسمان پر تھالی

میر علی نقی خان المتخلص بہ انتظار، بطرف عظیم آباد استقامت دارد از احوالش معلوم نیست سلمہ اللہ تعالی

صدف مشتاق ہیں دریا میں اے نیسان گوہر کے — یہ میری چشم پر پھینکے ہیں بھر بھر خوان گوہر کے

اٹکل پس شخصے بود در وقت احمد شاہ عجیب و غریب، ہر کس کہ پیش او شعر میخواند خواہ بیت خواہ رباعی دوہرہ ہندی فارسی عربی، موافق الفاظہائے او فی البدیہہ بے معنی موزون میکرد ہیچ تامل نمیکرد چون میگفتند کہ باز بخوان نمیتوانست خواند مگر بطور دیگر۔

آشوب تخلص شخصی است پیچک رو دراز قد، قدم در مسخرگی گزاشتہ است، پوچ و بے معنی و ناموزون میگوید مردمان خندہ میکنند بلکہ چیزہای چند میگویند چون کوشش کرا ست خود ہم میخندد و مردم را بخندہ می آرد از وست

در عشق تری جیوڑی یہ مست مچا پچ — یہ پھرکی وہ دونا یہ پچ و غچا غچ

میر اولاد علی، اولا تخلص جوانے است ہندوستان زاد بزرگانش از سادات بارہ، طبع موزون دارد سلامت باشد، از وست

بتاں ہر چند بہلاتے ہیں میرے دل کو پر اولا — اداکس طرح مجھکو اس پری رخسار کی بھولے

محمد اشرف شخصی است از مردم مرشد آباد، بہ واروغگی اخبار فرنگی جان پرشود صاحب سرفراز است طبع موزونی دارد، یک بیت نہ مہ گفتہ است کمتر ہندی و بیشتر فارسی میگوید خدایش سلامت دارد

آبیٹھو تو دو باتیں کریں تم سے میاں ہم — پھر دیکھئے اک دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم

حرف الباء

اوّل ازمتقدمین | بیچارہ تخلص شخصے بود از سلکِ دکھنیان پیش عالمگیر خدایش بیامرزد، از دست ؎

پی سے جدا ہو نا نہ تھا چاہا خدا کا یوں ہوا
جز صبر کچھ چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

میرزا عبدالقادر بیدل، شاعرِ زبردست وصاحب طرز فارسی، تعریف او در تذکرہ ہائے فارسی مسطور است بندہ را چہ یارا کہ شمۂ از احوال آن عارف باللہ رقم نماید، دو شعر ہندی ازان بزرگوار مسموع شدہ نوراللہ مرقدہٗ۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم ہیں | اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا | پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

بسمل، تخلص شخصے بود، احوالش معلوم نیست لیکن این قدر میدانم کہ از متقدمین است از وست ؎

تھو پی رہ گیا بسمل وگرنہ | ملاتا اپنے تئیں وہ خاک وخوں میں

ذکرِ متوسطین | دلاور خان شخصے بود از شاگردان میان یکرنگ، در عہد محمد شاہ غفراللہ لہٗ۔ اوّل ہمرنگ تخلص داشت بعد ازان بیرنگ نمود۔ خدایش بیامرزد، از وست ؎

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا | کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

محمد اسمٰعیل بیتاب، تخلص درویش درد مندے بود شاگرد میاں یکرنگ از پشت اسپ افتاد بیماری دست داد، آخر جان بحق تسلیم شد، خدایش بیامرزد، ؎

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل | تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
نہ جانوں کس پریرو کی نظر ہوئی | ابھی تو تھا مرا چنگا بھلا دل

بینوا۔ تخلص دراوائل سلطنت محمد شاہ در شاہجہان آباد آمد، ظریف طبع بود، ساکن

قصبۂ سنام روزے درجائے با میان آبرو ، ملاقات کرد اوشان کم التفات کردند گفت کہ اے میان آبرو ! مگر شما عین چشم شدن نمیدانید چوں اوشان یک چشم نداشتند این لطیفہ بسیار مناسب افتاد مردمان بخندہ درآمدند ، غرض عجب ظریفے بود خدا ش بیامرزد ازوست ؎

بینوا ہوں زکوٰۃ حسن کی دے　　　　ادمیاں مالدار کی صورت

از مستعدانِ روزگار لالہ ٹیکچند المتخلص بہ بہار شاعر فارسی بود از اصطلاحات فارسی بسیار خبر داشت از یارانِ سراج الدین علی خان صاحب بود ، تصانیف بسیارے داشت ، این چند بیت ازوست ؎

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں　　　　کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

سبھی کرتے ہیں دعوی خون کا قسمت ہے دیکھیں تو　　　　صفِ محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں　　　　ہمیں ایسا حسرا باقی کیا تجھ کو منا جاتی

محبت کی قلمرو میں جو جاویگا تو دیکھیگا　　　　کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

میاں بیان شاعر عذب البیان از خوش گویان زمان خواجہ احسن اللہ خان المتخلص بہ **بیان** از تلامذہ میرزا مظہر جانِ جاناں ، مولدش شاہجہان آباد ، الحال معلوم نیست کہ کجاست چنانچہ از وشہور است ، بسیار خوب گفتہ ، رباعیات دل پذیر دارد ، کلامش چوں تبسم گلرخان نمکین و بیانش چوں قند دلبران شیریں ، بندہ از فکرِ او بسیار محظوظ است ہرجا کہ باشد سلامت باشد ، ازوست ؎

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش ہم سے یار تھا　　　　در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا

اس تجاہل پر پڑا میں دیکھتا ہوں گور میں　　　　وہ کہ جس کی چشم کا میں عمر بھر بیمار تھا

ق

دیکھکر تابوت کو تیمار داروں سے مرے　　　　پوچھنے لاگا کہ اس مردے کو کیا آزار تھا

عالم کو تاج و گوہر و تخت دلوا دیا　　　　بتلا تو اے فلک کہ مجھے تو نے کیا دیا

نہ دین سے اطلاع نہ دنیا کی کچھ خبر　　　　اس عشق نے غرض ہمیں سب کچھ بھلا دیا

ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے نیند کے — خوابِ عدم سے کاہیکو مجکو جگا دیا
کس قدر تجھ سے دل خفا ہوگا — کہ ترا شکوہ سر کیا ہوگا
جنگ پر لوگ جس کی لڑتے ہیں — صلح میں اُس کی کیا مزا ہوگا
کوئی کسی کا بیان آشنا نہیں دیکھا — سوائے اُس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا
یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجکو — انھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا
سیرت کے ہم غلام ہیں صورت نہ ہوئی تو کیا — سُرخ و سفید ماٹی کی مورت نہ ہوئی تو کیا
رو کر اُس سے میں کہا مرتا ہی یہ بیمار آج — مُسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج
مری بساط ترے آگے یار ہے موجود — دلِ شکستہ و جان نزار ہے موجود
ہمارا ضعفِ بصارت ہے مانعِ دیدار — وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہی موجود
ادھر تو دیکھوں ہوں منہ اپنا اور اُدہر رُخ یار — بیاں یہ طرفہ خزان و بہار ہی موجود
یکبار فوج غم کی پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر — لیگئی قرار و صبر و دل و ہوش لوٹ کر
لینا اگر ہے دل کو تو لے بھی اسے کہیں — سینے میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر
کر آپ کو اس قدر فراموش — ہو یاد سے پاؤ سر فراموش
گو سب نے مجھے بھلا دیا ہی — پر تو تو مجھے نہ کر فراموش
کیا ایسے سے درد دل کو کہئے — ادھر تو سُنا اُدہر فراموش
جہاں رُوؤں تمنا میں تری اے شمع رُخسارے — اُگیں اُس گلزمیں میں حشر تک جوں لالہ انگارے
قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے — اُسے کہتے ہیں جیتا جو کوئی یاں نقد جاں ہارے
آنسوؤں تک پونچھنے کی غیر کے تدبیر ہے — مجھسے اتنا بھی نہیں کہتا کہ کیوں دلگیر ہی
چرخ کی بدمہرئی سے یہ تعجب ہی بیاں — لیلیٰ و مجنوں کی یکجا اب تلک تصویر ہی
شبِ فراق کی دہشت سی جان جاتی ہی — یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ جان جاتی ہی
کیا ہے عجز نے میرے اُسے بیاں مغرور — مری وفا اُسے جور و جفا سکھاتی ہے

جا کہو کوئے یار میں کوئی   مر گیا انتظار میں کوئی
وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا   سر رکھے اس کنار میں کوئی
کیوں بیاںؔ سیر باغ کی رخصت   نہیں دیتا بہار میں کوئی

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی   ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی
کیدھر ہی کہاں ہی خوشدلی تو   ہم سے کبھی تو آشنا تھی
مارا ہی بیاںؔ کو جس نے ای شوخ   کیا جانیے کونسی ادا تھی

رسوا بھی سی کرتی ہی اپنے چشم تر مجھے   آتا ہی اُس کی بزم میں بار دگر مجھے
آیا ہوں اس گلی میں ابھی دم نہیں لیا   پھر لیچلا ہی یہ دل وحشی اودہر مجھے
کنج قفس سوا مری قسمت میں جا نہ تھی   تو کیوں دیئے فلک نے بیاںؔ بال و پر مجھے

قطعہ

تھا حکم شرم عشق کہ ہرگز نہ رو بیاںؔ   گو ضبط گریہ سے نہ ترے جی کو کل پڑے
بھر عمر ہم نے ضبط کیا لیک وقت نزع   بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

مت آئیو ای وعدہ فراموش تو اب بھی   جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی
آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہی   سی دیجیو ٹک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی
اب ہجر میں کہتا ہی کہ تھا وصل میں آرام   نالاں ہی بیاںؔ میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی

جھگڑتے تجھ سے تو پیارے حجاب آتا ہے   وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے
پیو شراب جوانو کہ موسم گل ہے   ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے

تیغ چہرہ اُس کی سان پر آئی   دیکھیں کس کس کی جان آئی
کیجیے عرض حال کو کچھ ہو   نہیں رہتی زبان پر آئی
غیر کے آگے دل کی بات بیاںؔ   آہ میری زبان پر آئی

اپنے دل سے بھی عداوت ہو گئی ہی اب مجھے   دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہے تجھے
اس سرو قد کا مجھ سا گرفتار کون ہی   آزادگی کا اپنی گرفتار کون ہے

جاتا ہے یار کچھ تو بیاں سنہ سے بول لے
اے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے

ہو تو بھی چرخ اُس ستم ایجاد کی طرف
کافی ہے یاس اس دلِ ناشاد کی طرف

جانے دے مجکو اے ہوسِ سیرِ گلستاں
اب اس چمن سے اپنے غم آباد کی طرف

ہو ویگا ذوقِ حسرتِ دیدار میں خلل
شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

تمنا بادشاہی کی کسی سفلے کو ہووے گی
مرے دل میں خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہوں

یارو تمھاری دوستی سے یہ بعید ہے
میں یار سے بعید ہوں کیسی یہ عید ہے

کوئی جز قیس دیوانہ نہ ہوا لیلیٰ کا
میں ترے عہد میں دیکھوں ہوں جدا سرِ مجنوں کر

عالم میں گو کہ عشق نے رسوا کیا مجھے
لیکن تجھے تو شہرۂ آفاق کر دیا

رباعیات

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیگا
عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچوں سے صبا کہیو کہ آہستہ کھلیں
زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیگا

دیگر

اب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری
سب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری
پہلے کہہ لو کہ میں نہ مانونگا برا
تب تم سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میری

دیگر

مت کہیو یہاں جام اجل پیتا ہے
یا اُس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے
یارو جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ
اتنا کہیو کہ اب تلک جیتا ہے

دیگر

کیا زلف میں اُس شوخ کی ہے دل کی صبح
یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح
ٹک زلف کو میں ہاتھ لگایا کہ اُدھر
ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

دیگر

سَو طرح سے یہ عشق لُبھاتا ہے مجھے — ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہے مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب — ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

دیگر

دنیا سے بیاںؔ چلا ہوں روتے روتے — گزری اپنی شبِ عمر سوتے سوتے
ظلمات میں تھا آبِ بقا پر افسوس — روشن یہ ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

دیگر

کہتا ہوں جنابِ حق میں ڈرتے ڈرتے — مدّت گزری دعا ہی کرتے کرتے
ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاںؔ سا محروم — منہ یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

سلتو کھورائے المتخلص بہ بیتابؔ، از تذکرۂ قائمؔ معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت دوست بود، معلوم نیست کہ الحال کجاست، دران زمان زورِ طبعش بروز مانند ہلال در ترقی بود و ربطِ کلام را خوب می فہمید، خدایش زندہ دارد، از وست ؎

نہ رہے باغِ جہاں میں کبھی آرام سے ہم — پھنس گئے قیدِ قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرطِ طریقِ اخلاص — کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہم نشیں راہیں — کہ خوباں یوں ہیں دکھ دیں ہم اُن کو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ کیا اودھر وہ مضطر ہو چلا آیا — عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں
سبزے پہ اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک — اُس گُل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں لیے
جی میں ہے اُس کی بات میں اب پھر نہ بولیے — لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے
محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی — کہ بن لیلیٰ کہیں کھنچتی نہیں تصویر مجنوں کی
ہیں کیا خلل نہ اٹھائے فلک کے کینے سے — کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھیو بیرحم — کہ سنگِ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

عشق میں لگا ہے غسل گہ نیش ہی | بنت نیا یاں ماجرا درپیش ہے
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے | نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے | مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر | اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

میاں محمد علی المتخلص بہ بیدار، جوان محمد شاہی است از شاگردان مرتضیٰ قلی بیگ کہ شاعر فارسی گو بود و فراق تخلص مینمود، قریب چہاردہ سال شدہ باشد کہ فقیر اورا در لباس درویشی در شاہجہاں آباد دیدہ بود، طبع درد مند داشت، باریک و منحنی، بزیور حلم و حیا آراستہ، معلوم نیست کہ الحال کجاست، از وست:

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہی تیرے دنداں کو | کیا تجھ لب نے ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو
دیکھ تجھ کاکل شکیں کی ادائیں شانہ | دو نوں ہاتھوں سی لیتا ہے بلائیں شانہ
چھوڑ کر کوئے بتاں جاتا ہے تو کعبہ کو | جلد پھر یو تجھے بیدار خدا کو سونپا

از احوال متاخرین | فاضل بے کمال و عالم بے مثال فضیلت مآب شاہ علیم اللہ الہ آبادی المتخلص بہ ملتیاب، حالا در خانۂ او مشاعرہ میشود، شاعر فارسی است، از برائے خاطر ریختہ گویاں گاہ گاہے دو سہ بیت میگوید، از کلامش دریافت خواہد شد بسا بزرگ است دام افضالہ

دل چھین لیا میرا بنارس کے بتوں نے | اس وقت میں تو اے مرے اللہ کہاں ہے
جب قرص مہ کا آئینہ لاتی ہے چاندنی | صورت کسی کی یاد دلاتی ہی چاندنی
نگیں کی طرز یہ کیا سخت مجکو بھاتی ہی | کہ ایک نام کی خاطر جگر کھداتی ہی

غنچہ بوستان وفا سرو موزون باغ صفا شیخ محمد بقا اللہ المتخلص بہ بقا ابن حافظ لطف اللہ کہ در لکھنؤ مشہور اند، جوانیست بکمال خوبی، خوش فکر و خوش اندیشہ، در شعر فارسی از شاگردان

میرزا فاخر مکین سلمہ اللہ تعالیٰ، لیکن شوق ریختہ نیز دارد، با فقیر صحبتہا گرم داشتہ است خدا سلامت دارد۔

یاد میں تڑپے ہے دل کس ابروِ خمدار کی
آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیمار کی

کیا تجکو لکھوں خط ہاتھ سے حرکت گم ہے
خامہ بھی مرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے

کل دست محتسب سے جوں توں مجھے چھڑایا
شیشے سے میری خاطر اپنا گلا بندھایا

یہ گل اندام جو صرف سے ٹک اک ناز کریں
کام لیں زلف سے کاکل کو پس انداز کریں

دیکھیے منصب مجنوں پہ یہ لیلیٰ صفتاں
خاک میں ہم کو ملا کس کو سرافراز کریں

بسمل تخلص گدا علی بیگ سپاہی پیشہ جوانے است ابلہ رو نیک خو۔ در فیض آباد استقامت دارد۔ دیوک نامہ ازو مشہور است، دیگر شعر بلندش بسمع نرسیدہ خدا ایش سلامت دارد۔

(دیمک)

از دیوک نامہ

جب کہ دیوک کی فوج چلتی ہے
زلزلہ سے زمیں دہلتی ہے

وہم دیوک یار واب سے کے سال
ہیں ستارے بھی آسماں کو زوال

در و دیوار گلشن و محفل
ہیں گے دیوک کی خاک سے کہگل

ہیں گے اک مہربان عالیشان
سنیے اب ماجرے کا اُن کے بیان

کہیں دیوک نے یہ کیا ہے خلل
جیسے کچھ اُن کے گھر میں ہے کوٹھل

دیکھیے دس نقچہ کی اگر صورت
تو نظر آئے خاک کی مورت

مشرو محمودی بافتوں کے تھان
کترے ہیں اس قدر بہم یکساں

کہیئے گر اُن کے نقش کی تمثیل
بنے یک جلد کاغذی قندیل

اُن کی مسند کی کیا کروں تقریر
نقش ہے روئے خاک پر تحریر

چاندنی کو اگرچہ سمجھو آب
پھر جو معلوم ہو تو نکلے سراب

تھا جو قالیچہ مثلِ گل لالا — اس سے بہتر ہے مکڑی کا جالا
یہ ستم ہے کہ ایک تھی پوشاک — نہیں ثابت وہ بہنیں گے کیا خاک

در تعدیِ دیپوک میگوید

دیکھ لو تم بھی اتنا کرکے سُراغ — مہ کے سینے میں دیپوکون کا داغ
ذرّے کے دام میں نہیں خورشید — دیپوکون نے اُسے کیا ہے چھید
آگے اب اس سے کیا کہے بسمل — جیسی دیپوک سے آئینہ ہے مشکل
ڈرے دیپوک سے وہ جو پہنے شال — یاں تو اب اِس کے خصیوں پر ہے بال
لُنگ کے زیر وہ لُنگ کے بالا — نے عظیم دردو نے غم کالا

حرف الباء فارسی

ازسلک متوسطین اشرف الدین علی خاں پیام، شاعر فارسی بود، صاحب دیوان، درعہد محمد شاہ غفراللہ لہٗ۔ ریختہ نیز بطور ایہام کہ رائج آں وقت بود میگفت اصل از اکبرآباد است از مدتے وفات یافت او تعالےٰ رحمت کناد ازوست ؎

بات منصور کی فضولی ہے — ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

قطعہ

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

شاہ بیچا آزاد فقیرے بود در شاہجہاں آباد، کاغذ و قلم ہمراہ داشت ہر جا کہ می نشست میگفت و می نوشت، ہم فارسی و ہم ہندی ؎

دل مرا اگر دلِ بیایے کے منڈلاتا ہے — بیشکر خوردہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

حرف التاء

اول ذکر متقدمین | میر عبداللہ **تجرد** تخلص از شاگردان سید عبدالواسع است قدیم است، احوالش معلوم نیست، از وست ؎

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اسکی فلک کو خبر نہیں

ذکر متوسطین | ابوالحسن **تانا شاہ** رحمۃ اللہ، از پادشاہانِ دکن بود در کمالِ عیاشی بسر برد این مطلع ازین شنیده شده بزبان دکن ؎

کس ہر کہوں کاں جاؤں میں مجھ لیہن بچھرا ہے — ایک بات کہیے ہونگے سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

میاں صلاح الدین المتخلص بہ **تمکین**، درویشے بود در وقت فردوس آرامگاه، بہ کسے کار نداشت، بہر نوع اوقات بسر می برد، این مطلع از وگوش خورده ؎

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا — مجکو دیوانہ کیا تجھکو پریزاد کیا

میاں عبدالحی المتخلص بہ **تاباں** در وقت محمد شاہ پادشاہ مشہور و معروف است در وقت خویش نظیرے نداشت سید زاده بود بکمالِ حسن و وجاہت تمام عالم فریفتۂ حسنِ او بود بلکہ گرم بازاریِ ریختہ ازاں شعلہ رو دوبالا شد اکثر اشخاص این فن را وسیلہ ساختہ داخلِ صحبتِ او میشدند، شاعرِ بامزه و رنگین طبع بود چہرۂ کلامش با حسنِ یوسفی و احسن القصص بیانش با گرمیِ عشقِ یعقوبی، عاشقِ معشوق مزاج بہ یک طفلے سلیمان نام تعشق داشت شراب بسیار میخورد چون ہفت ہشت روز از حیات او باقی ماند توبہ کرد از بسکہ بسبب کثرتِ استعمالِ شراب مزاجِ او شده بود از گذاشتنِ او از خود درگذشت، غرض آفتابِ تابانِ عمرِ او در شروعِ شبِ جوانی پنہاں گردید خدایش بیامرزد ؎

اخگر کو چھپا رکھیں ہیں دیکھکے سمجھا — تاباں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا
جب یار مرا بگڑا خط آنے سے اے تاباں — تب حسن کو میں اسکے کریاد بہت دیا

دیکھ اسکو خواب میں جب آنکھ کھلجاتی ہے صبح
کیا کہوں کیسی قیامت مجھ اوپر لاتی ہے صبح

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہو جاتی ہے صبح

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہم کو
کہاں یہ چمن اور کہاں آشیانا

ترے غم سے نسیان ہے یاں تک تو مجھکو
ادھر بات کہنا ادھر بھول جانا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا

لیا تھا دوستی سے جس نے جی آہ
وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا

نہیں اک لحظہ بیتابی سے فرصت
الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا

ہمیشہ رات کو غیروں کے رہنا
پھر آکر صبح کو یوں ہم سے کہنا

جو یار آیا تو میں دونگا رکھائی
تم اے آنکھو کہیں مت پھوٹ بہنا

عجب احوال ہے تاباں کا تیرے
کہ رونا رات دن اور کچھ نہ کہنا

تمہارے ہجر میں رہتا ہے ہم کو غم میاں حسب صبا
خدا جانے جئیں گے یا مرینگے ہم میاں حسب قضا

برابر ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا ہیہات
دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہاتھ

غیر کے ہاتھ میں اس شوخ کا داماں ہے آج
میں ہوں اور ہاتھ ہے اور میرا گریباں ہے آج

ہم کو تم بن ایکدم اے جان جینا ہے محال
تم تو ہوتے ہو جدا لیکن ہمارا کیا علاج

مجکو غرض ہے نہیں کسی آشنا سے شوخ
کوئی مرے کوئی جیے تیری بلا سے شوخ

بتاں کے عشق میں میں کیوں نہوں شاد
کہ اُن کو دیکھ آتا ہے خدا یاد

لے دل کی خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہیے
پر جو کچھ جی چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے
آہ یہ چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے

عاشق نے وقتِ مرگ کہا یار سے یہی
سمجھونگا تجھ سے حشر کے دن دیکھ تو سہی

تاباں نے تجکو دیکھتے ہی اپنا جی دیا
سننے نیا یا تیری نہ اپنی ہی کچھ کہی

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں
جو تو نہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے
تجھے بے مروّت مروت کہاں ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

گئے نالے ترے پر یا وہ مانند جرس چپ رہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

ترے ابرو کو نہ چھوڑے گا مرا دل ہرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

توئے پی اسقدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے
ترا بیہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر ناپرساں میں کب کوئی داد کو پہنچے
مگر یاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے
ولیکن حقتعالے کی نہیں تقدیر پھرتی ہے

سلیماں کیا ہوا گر تو نظر آتا نہیں مجکو
مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے

کہتے ہیں اثر ہیگا گریہ میں یہ ہیں باتیں
اک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں

کر یاد تری ظالم روتا ہوں میں ہر ساعت
غصّے کا وہ ٹھکرانا اور پیار کی وہ لاتیں

ہونٹوں پہ تیرے ظالم مسّی کی یہ دھڑی ہے
یا اُسکے تئیں کسی نے مل مل کیا ہے نیلا

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا لا صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھ کہ ہے ہو باقی ساقی

سید نجیب الطرفین از مرثیہ گویان حضرت ابا عبداللہ الحسین سید محمد تقی غ
میر گھاسی فقیر اورا ندیدہ لیکن اکثر اوصافِ آں بزرگوار شنیدہ مولدش شاہجہاں آباد (
الحال بطرف فرخ آباد استقامت دارد، گاہ گاہے فکر شعر ہم میکند از دوست ۵

تو ہوا ور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل
تیری فریاد سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

ترے عتاب سے کس دن یہ رنگ روئے وفا اڑا | کہ مرغ روح مرا اس کے دو بدو نہ اڑا
مرے ادب نے رکھا مجکو یاں تلک محروم | کہ بعد قتل بھی دامن طرف لہو نہ اڑا

رباعی

تجھ ہجر میں اے لشکرِ خوباں کے شاہ | سینے پہ مرے غمسے ہی یہ حالت آہ
جیسے رکتی ہے پل پہ دریا کے بھیڑ | پیچھے کو نہ پھر سکے نہ آگے کو راہ

حرف الثاء

درین فصل از متوسطین ثاقب تخلص مردے درویش گزشتہ است، از شاگردان میاں آبرو، دراواخرِ شعر خود پیشِ خان آرزو مگذرانید از وست ؎

ثاقب کی نعش او پہ قاتل نے آ کے پوچھا | یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

شجاعت اللہ خاں از شاگردان میاں حسرت است ثابت تخلص دارد، از متاخرین است نبیرۂ نواب شیر افگنخاں نبیرۂ نواب دل دلیرخاں، اصل ایشان پانی پت کہ قصبہ است متصل شاہجہان آباد پیشتر گاہ گاہے فکر شعر داشت الحال از مدتے راغب بانیکا رسنجے شود خدا اش سلامت دارد ؎

یہ سچ کہو کہ کیا کس نے بدگماں تمکو | غبار میری طرف ہے اے بتاں تمکو
ہم آپ جاتے سو اس سے عرض کر لیتے | ہمارا حال نہ کہنا تھا دوستاں تمکو
میں ہو اکل جو یار سے رخصت | نہوا اختیار سے رخصت
مثلِ بلبل کے مر گیا ثابت | ہوتے ہی گلعذار سے رخصت
کیا ہی بے اختیار روتا ہوں | جس گھڑی مجکو یاد آتی ہو
آتے ہو دن میں تم تو کئی بار اس طرف | پر دیکھتے نہیں کبھی اے یار اس طرف

رلیناتھ سنگھ متخلص بہ دلیر پسر دمو تخ بنظیر صاحب کمال بہ سن ہفتاد سال از معتقدان

خواجہ میر درد است، در علم تاریخ چناں فکرش رساست کہ اکثر قصائد دارد کہ در ہر مصرعش تاریخ ممدوح برمی آید بہ فرمائشِ یاران تاریخہا بسیار گفتہ است با فقیر بسیار آشنا ست سلامت باشد تاریخ چاہ گفتہ مصرع

آب ازیں چاہِ بے نظیر برآر

تعمیۂ آب بسیار مناسب افتادہ کہ بہتر از بے تعمیہ گردیدہ ۔

حرف الجیم

جنون تخلص اکبرآبادی از قدیم است دیگر احوال بگوش نرسیدہ ازوست

پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر پہ پہنچا ۔۔۔ تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا

جنوں کا یاں تلک ہے گرم بازار ۔۔۔ کہ پتھر بھی نہیں سر کا خریدار

از احوال متوسطین میر جعفر زٹلی نادرۂ زماں واعجوبۂ دوراں بود اسے علٰے واد نی ہمہ کس ازو ملاحظہ میکردند از بسکہ دراں زمانہ عالم غیرت داشت چیزے میدادند و زبانش بند میکردند الحال اگر کسے درہجو کسے بگوید مدح خود می شمارند غرضیکہ میر مذکور در مدح و قدح بطور خود خوب میگفت ۔ در مدح اعظم شاہ گفتہ

نگین سلیمان کہ تا بندہ بود ۔۔۔ ہمیں اسم اعظم درو کندہ بود

نقل ست کہ روزے پیش میرزا بیدل رفت میرزا در فکر مصرعے مصروف بودند ملتفت نشدند پرسید کہ صاحب و قبلہ کدام مصرعے فرمودہ اند گفت بلے و آن ایں مصرعہ بود ع لالہ بر سینہ داغ چوں دارد ۔

میر مسطور گفت دریں تامل چیست ع

چوں کہ سبز زیر کوں دارد

مرزا ازیں معنی بہم برآمدند و چیزے دادہ رخصت نمود خداش بیامرزد

این مثنوی از وست ـــــہ

شنو اے طوطی روحانی من | نہ کر الفت بہ رنگیں پنجرۂ تن
نہ تو یاں سے نہ یہ پنجرا رہیگا | بُلا کر لال تجھکو کیا کہے گا

جعفر بوستانِ جہاں دم غنیمت است | شادی نصیب اگر نشود غم غنیمت است

خانِ عالیشان جعفر علی خاں ولد مرزا مومن بیگ جواں محمد شاہی از متوسلانِ نواب عمدۃ الملک امیر خاں بود یا دشاہ عالیجاہ محمد شاہ رحمۃ اللہ بہ منصب سہ ہزاری سرافراز نمودہ بود در ذیلِ اُمرایانِ مشہور بود، ذہن وذکا وطبع رسا داشت، سوائی رام راجہ برو تعشق داشت چنانچہ این مثنوی درعشق او گفتہ مشہور است۔

الٰہی شوق سے دل کو جلا دے | برہ کی آگ تن من میں لگا دے
جلا جوں پھلجھڑی مجھ ناتواں کو | شرر لبریز کر ہر استخواں کو
فنا کر عشق میں یوں جان بیتاب | کہ جوں آتش میں کھپ جاتا ہے سیماب
وحدت کی آتش سے دوئی کو | کہ بس ہے ایک چنگاری روئی کو
محمد باعثِ ایجادِ امکاں | کہ جس کے واسطے آیا ہے قرآں
مقرر ہے کہ ہے رازِ دکا ندار | دکھاوے جس اول آخر کار
اسی سے جان ارفع اُسکا پایا | کہ سب پیغمبروں کے بعد آیا
علی ہی شاہِ اورنگِ ولایت | شریعت کا معین دین کا حمایت
ہوا کعبے سے نور اُس کا نمایاں | کہ جوں ظلمات سیتی آب حیواں
کیا معراج پر شیر اللہ دھاوا | لیا افلاک پر چڑھ کر چڑھاوا
رسالت کی گر واب سیر گھر کا | بنا ہے زور اپنا واں پانچ در کا
قضا کے راج کی صنعتگری دیکھ | نبی کے گھر کی یہ بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پر سے وار جانا — اسی بارہ پلی سے یار جانا
خدا تک اب پہنچا کیا ہے مشکل — کہ بارہ کوس کی ہی ایک منزل
اگر فہمید حکمت آشنا ہے — اسی نسخے میں چودہ بدیا ہے
صفا اسکے بنا گوشوں کی دیکھ آن — خجالت سے رہے ہے موتی بیکل کان
زمیں گلبرگ لب میں نازکی ہے — کٹورے میں پیئے ہی پھول کی مے
بگولا گر ہوں کار ہنموں سے ہے — نشان لشکر اہل جنوں سے ہے

این مثنوی حقہ بہ فرمایش فردوس آرامگاہ از اول چند بیت گفتہ وبعدہ میان حاتم باتمام رسانیدہ انیست۔

تماکو کو لگا تو کیا سبب ہے — ملا ہے گڑ سے اور کیونکر طلب ہے
طلب گڑ کی اُسے ہے اس سبب سے — ملا دے گڑ اُسے پیارے کے لب سے

از اشعار اوست

بلبل کو باغباں سے لب ہے نت کھٹا پٹی — تا صبح کیوں نہو وے شبنم کی چھا چھٹی
آ مجھ میں تن تیں کہ بنا ہے ترے لیے — یہ خیمۂ سیاہ و سفید پٹا پٹی
خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبار — جونک ماٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے
عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کی ساتھ — وصل مرجاوے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے
پرو وے کیونہ ہر اک بات میں موتی وہ چھلتی — صفا دانتوں کی روشن ہی شب مستی میں تیری
نہ کھوجی کچھ کے کاروان و منزل دور ہے — خدا جانے کدھر یہ بے سر و پا جا نکلتے ہیں

مرزا احمد علی "چراغ بزم آشنائی و شمع انجمن آرائی تیغ شجاعت را جوہر و کان مروت را گوہر مرزا احمد علی المتخلص بجوہر مردے بود در نہایت خلق و اخلاق در صحبت داری دیار باشی بیالاک وجیت و در کار آشنائیہا درست، از زبان شیخ اسرار ہی سلمہ اللہ شنیدم کہ اکثر مجمع شعرا در خانۂ او میشد، اصلش از ایران بود،

مولد وے شاہجہاں آباد، طبع موزوں داشت، اکثر فارسی میگفت مگر ہمیں غزل ریختہ از بہ یادگار ماند کہ قلمی خواہد شد، میگویند کہ با یکے از آشنایانِ او جائے خانہ جنگی رو داد این خبر شنیدہ در معرکہ درآمد دوسہ را کُشت وخود نیز کشتہ شد غرضکہ تا جان از یاران دریغ نکرد، خدایش بیامرزد از وست

آتش دہ چمن ہو یا برق آشیاں ہو | اے مُرغ نالہ کچھ ہو کیشب تو پرفشاں ہو
شاید کہ پہنچے تجھ تک واماندہ کوئی ہم سا | آوارۂ بیاباں اے گرد کارواں ہو
گر ہو سکے ہے تجھ سے اٹھ اے غبار مجنوں | ناقے کے ساتھ تو بھی اک دو قدم رواں ہو
اتنا لب و وہاں تو جو ہر ہو عاشقی میں | منہ پر تو ہوئے نالہ اور زیر لبِ فغاں ہو

میر مستقیم سیدزادۂ عالی ہمت المتخلص بہ جرأت (مستقیم)، از جوانان محمد شاہی است بندہ او را در صغرسن بہ شاہجہاں آباد دیدہ ام، بسیار خوش رو بود کہ بے اختیار دل را مے ربود، حالا شنیدہ ام کہ بطرف پورنیہ بہ لباسِ درویشی بسر می برد، سلامت باشد از وست

ہر بُنِ مو سے مرے شعلہ نمایاں کردے | دل تو جلتا ہے پراب وہ چراغاں کردے
جاؤں صحرا میں دِوانوں میں مری عزت ہو | اپنے ہاتھوں سے مرا چاک گریباں کردے
کون گلشن میں یہ بو مشک کی لے آتی ہے | کہتے ہیں زلف کے کوچے میں صبا جاتی ہے

میاں رمضانی جولاں تخلص، جوان محمد شاہی کماندار بے نظیر بود دگر احوالش معلوم نیست

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن | جیوں گے ہم سے شخص کیا تجھ بن

ازاحوال متاخرین

میر علی ہمدا، شاگرد شاہ فصیح، جنون تخلص، از متاخرین است احوالش معلوم نیست کلامش پختگی نیافتہ

رقیبوں کے گھروں میں ہائے کیوں وہ شوخ جاتا ہے | لڑوں جا کر رقیبوں سے یہی اب جی میں آتا ہے

خمار آلودہ یا تا نیند کا ہے غیر صحبت میں — سحر گارات تو جاگا ہی کیوں باتیں بنا تا ہی

میاں حزیں خالہ زادۂ شیر افگنخان، دعوائے شاگردی میر تقی سے شاید از مشاہیران نیست خدایش بسلامت دارد ؎

ایدل مریضِ عشق کو آزار ہے بھلا — چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہے بھلا

میر مظہر علی المتخلص بہ جذب در عظیم آباد استقامت دارد گاہ گاہے فکر ریختہ می نماید سلامت باشد ؎

ہے جنوں کا زور طوفاں اندنوں — میں ہوں اور میرا گریباں اندنوں

میاں محمد روشن المتخلص بہ جوشش - مردیست ساکن عظیم آباد خوش طینت و نیک اعتقاد شاعر شیریں کلام صاحب دیوان، از خاصان آن دیار است بندہ با وے ملاقات نکردہ از سبب بُعد اشعارش نیز بہ فقیر نہ رسیدہ مگر چند بیت از زبانی مرزا فدوی سلمہ اللہ شنیدہ بودم بہ نگارش می آید مشتے نمونہ از خروارے، خدایش سلامت دارد ؎

توانائی جدا کرتی ہی اب آغوش سے مجکو — کرامت دیجیو اے ناتوانی دوش سے مجکو

دل میں ہی اب قرب میں آئینہ سا پیدا کروں — وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اسے دیکھا کروں

چون آئینہ بہ رستم رسیدہ — رہتا ہے مدام آب دیدہ

ہیں داغ میرے جزو بدن جون پر طاؤس — مخلوق ہوں اس دہر میں ہم پیکر طاؤس

کلامش شاعرانہ است شخصے میگفت کہ او در تالیفِ تذکرہ مشغول است -

خان عالیشان بلند مکان برادر زادۂ نواب روشن الدولہ مغفور ولد مفتخر الدولہ جانعالم خان، بحرِ ذخارِ طبعش از گوہر نثر و نظم لبریز و افکارِ صدفِ معانیش چون دیدۂ عشاق جواہر خیز، گوہرِ طبعش از چشمۂ خورشید آب خوردہ سُہیلِ خطش از زلفِ نکویان تاب بردہ سخنش بیحساب و شعرش چون دُرِ یتیم نایاب، در اوائل مشقِ سخن از میر سوز

نمودہ و در غزل تخلص نمی آرد محتاج شہرت نیست قابل و قابل دوست، خدایش سلامت باکرامت دارد از وست ؎

لگا خوبان تو خط سے یہ ملنے | گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں لے
چھوڑ عارض دل تو پھر از لفِ مشکیں فام کو | صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

میاں قلندر بخش المتخلص بہ جرأت، از شاگردان میاں حسرت، جوانیست چیچک رو خوش خلق و شگفتہ، کلامش نمکین و بیانش شیرین، دستگاہ شورش چوں دل صاحب ہمتاں فراخ و گلزار معانیش چوں میوۂ آرزو شاخ در شاخ، اصل از شاہجہان آباد، نشو و نما در فیض آباد یافتہ، شوق شعر از حد زیاد دارد اگرچہ پارہ در علم موسیقی و ستار نوازی نیز دستے بہم رسانیدہ لیکن آنچہ گوید دیوانہ فن شعر است کہ گاہے بے فکر نماند بسیار دردمند و گداز است، مثنوی ہجو برسات و کتخدا نامہ ہم گفتہ درین نوجوانی بسیار بحلم و حیا بسر می برد، خدایش سلامت دارد ؎

کیا سحر کیا ہے یار دل کو | تجھ بن نہیں قرار دل کو
آنے کی خبر ہے اسکی لیکن | آتا نہیں اعتبار دل کو
تب زخم تو اسکے بھرنے پاویں | جب صبر ہو اس فگار دل کو
نالہ و آہ و فغاں میرا ہی دم بھرتے ہیں | آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے عین ہجر ہی میں میسر وصال دوست | اب کچھ خیال دل میں نہیں جز خیال دوست
سب سے ملتا ہے وہ ایک ہم سے ملاقات نہیں | آہ کیا کیجئے دم مارنے کی بات نہیں
وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے | جبکہ آواز یہ آتی ہے کہ اب رات نہیں
اُس کے کوچے میں گئے یا نہ گئے ای ہمدم | ہے مساوات ہمیں دل کو مساوات نہیں
اپنا میں درد دل اس طور چھپا رہتا ہوں | حسب حال اس کو کوئی شعر سنا رہتا ہوں
بات میں کس کی سنوں آہ کہ اے مرغ چمن | شور میں اپنے ہی نالوں کے سدا رہتا ہوں

آے ستم ایجاد کب تاک یہ ستم دکھا کریں　　تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ　　چشم حسرت سے کہاں تک دم بدم دیکھا کریں
ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے　　سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے
چین اس دل کو نہ اک آن تجھے بن آیا　　دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا
صیاد نے جفا تو یہ ایسا داور کی　　پر میرے کاٹے اور سنی فریاد داور کی
جرأت ذلیل ہو چکا مارا ہی جائیگا　　اب کے جو اس نے پھر کہیں فریاد داور کی
کیوں مکرتا ہے جو کچھ ٹھانی ہے تو نے دل میں　　سب مرے جی پہ عیاں ہے تجھے معلوم نہیں

جلال الدولہ جلال الدین وکیل مرہٹہ مشیر نواب عماد الملک، از وست ۵

ماہرو مسند پہ بیٹھا جب سے دل بیتاب ہے　　چاندنی کے فرش پر کیا عالم مہتاب ہے

حرف الحاء

1 **اول احوال متقدمین** | حبیب و حسن تخلص از خاک دکن بودند اکثر اشعار ایشاں در بحر کیست بنظر آمده چوں الفاظش ربط بیکدیگر نداشتند بقلم نیاورد،

2 حیا، تخلص ہم کسے گزشتہ است چند شعر در سلک متوسطین دیده شد اغلب که زن باشد احوالش معلوم نیست و نیز بے ربط میگوید، از وست ۵

حیا کی تلخ کامی کا یہ قصہ　　مفصل جا کہو شیریں سخن کو

احوال متوسطین | شیخ محمد حاتم المتخلص بہ حاتم، شاعریست صاحب کمال و پسندیده افعال، عالی فطرت و بلند ہمت، معاصر میاں آبرو، دو دیوان ترتیب داده یکے بزبان قدیم بطور ایہام، و دوم بزبان حال ادائیہ، شهره اشعارش بسیار است اکثر غزلہائے اورا نغمہ سرایان ہند میخوانند، تا حال در شاہجہاں آباد مقیم است از وست

مثال بحر موجیں مارتا ہے　　کیا ہے جنے اس جگ سے کنارا

ہجر کی زندگی سے موت بھلی — کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا
تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے — بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے — کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا
سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل — بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کا غذ خطائی پر
ستم سے تیرے میں جاتا ہوں پھر نہ کہیو تو — کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا
کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد — کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد
جب سے تیری نظر پڑی ہے جھلک — تب سے لگتی نہیں پلک سے پلک
ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو — آج تک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ
شانہ کیجو زلف میں زنہار دیکھنا — بتوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا

سید حاتم علی خاں حاتم تخلص، ایشم از سلک متوسطین است مولدش جونپور شاگرد
میاں مضمون بودہ است حدا کثرش بیا مرزد ؎

شاید محبت اب کے زمانے میں ڈوب گئی — آتی نظر نہیں جو کسی آشنا کے بیچ

حشمت، عالی ہمت و بلند فطرت سید محتشم علیخاں المتخلص بہ حشمت، ولد میر باقی،
سپاہی پیشہ عمدہ روزگار بود۔ برادر خرد میر ولایت اللہ خاں، ریختہ و فارسی ہمہ میگفت، فہمیدہ
و سنجیدہ متواضع مؤدب، آخر روزگار ترک نمودہ خانہ نشین بود ناگاہ فوراً فوت شد

از وست ؎

نکہت گل نے جگایا کسی زنداں کے بیچ — پھر یہ زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ
بہار آئی دوانوں کی خبر لو — اگر زنجیر کرتا ہے تو کر لو

این واسوخت از مشہور ست ؎

کیوں رہے دل جا ہی پھنسا میں نہ تجھے کہتا تھا

بند دوم این بندہ را خوش آمد۔ ؎

حاسدان تم کو جدا بیٹھ کے بہکاتے ہیں — ہم سے دل توڑ تمہارے کو وہ بہلاتے ہیں
کیا ہوا تم کو بھی اب گرچہ وہی بھاتی ہیں — آجکل جو تمہارے سے وہ سب جاتے ہیں
پھر وہی تم ہو وہی ہم ہیں وہی باتیں ہیں — پھر وہی عیش وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں
با زفرداست کہ زلف تو بود دردستم — من ہماں عاشق دیرینہ کہ بودم ہستم

میر محمد باقر مردیست از سلک متوسطین تخلص بہ حزیں از سادات اکبرآباد سپاہی پیشہ شاگرد مرزا مظہر از مدتے بطرف بنگالہ رفت، خدایش سلامت دارد ٭

اس بیوفا کے عشق میں کچھ مجکو حس نہیں — پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
ویران ہوا ہے باغ خزاں سے یہاں تلک — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
جس دن سے میں سنا ہے کہ آخر ہوئی بہار — اس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہیں
کیا کیا گزرتی ہوئیگی اُنپر چمن کے بیچ — ان بلبلوں کا ہائے کوئی دادرس نہیں
کس کس مزے سے دھوم مچائی تھی تنکے سان — جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں
کہا میرا اگر وہ شوخ مانے — تو غیروں کو نہ دے آس پاس جانے
حزیں اکدم نہ جیتا تھا سجن بن — سو یوں گزرے جدائی کے زمانے
وہ کب ہے ملک مسلم جسے یکتائی کا — خوب لیتا ہے مزہ عالم تنہائی کا
میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن — سخت دھڑکا ہے مجھے اس کی رسوائی کا

محمد علی حشمت تخلص از شاگردان محمد علی بیگ قبول تخلص، مردم کشمیر بود استاد عبدالحی تاباں شاعر مربوط گو و وقت پسند بود ہمراہ قطب شاہ دہیلہ کشتہ شد خدایش بیامرزد ٭

جب آخزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل — تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
خدا نے ترا حسن سب اُڑایا — یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میرزا حسن علی حسن تخلص برادر جعفر علی خاں، این بیت در مرثیہ امام علیہ السلام

ازوست ـه

یہ کس طرح کا زخم لگا تھا حسینؑ کے ۔ اشک بہے ہے خون حسن دل کے گھاؤ سے

ازاحوال متاخرین | میرحسن المتخلص بہ حسن درکمال خوبی واخلاق ظاہر حاشش بلباس دنیا داری آراستہ و باطن بزیور فقیری پیراستہ، مدتے درصحبت یونس خاں بسر برد گاہ گاہے دوسہ بیت میگوید خدایش سلامت دارد ازوست ـه

تھی ہمیں سیر کوئی دن اُسی میخانے کی ۔ اب خبر ہے نہ صراحی کی نہ پیمانے کی

تیغ ابروسے تو مارا ہی تھا گیسوئے زلف نہ ہو ۔ غیر زنجیر خبر کون لے دیوانے کی

اے حسن آپ کو سمجھے گا تو کیا بس چپ رہ ۔ سرّ حق ہے یہ نہیں بات ترے پانے کی

خواجہ حسن گلشن بوستان آشنائی و سرو گلستان رعنائی خوش فکر و خوش سخن متخلص بہ حسن ابن خواجہ ابراہیم نبیرۂ حضرت خواجہ کمہاری قدس اللہ سرہٗ از فرزندان خواجہ مودود چشتی رح جوانے است درویش صالح متقی و متواضع، مورد ت، در فن طلسم و شعبدہ بازی نیز ماہر است۔ مدتے بطرف بریلی اقامت داشت چوں از تخلص فقیر واقف بود بنابرین حسن، تخلص نمود الحال بہ فیض آباد استقامت دارد خدایش بسلامت دارد

ازوست ـه

دل دلاسوں سے کرے ہی بیقراری بیشتر ۔ خانۂ ماتم میں ہو پڑے سے زاری بیشتر

صحبت سنگیں دلاں سے کیوں نہ ہو خونریز حسن ۔ سنگ سے شمشیر کو ہے آبداری بیشتر

کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے ۔ پر ٹک ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے

ہنسے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی ۔ بے سبب جو آپ اپا یدھر کے آنے سے رہے

آہ کس کس بیوفائی کا میاں کیجیے شمار ۔ اور تو سب یکطرف منہ بھی دکھانے سے رہے

اُسنے کس کسطرح اپنے در سے ٹالا ہم کو یہ ۔ دیکھ تو ہم بھی حسن کس کن بہانے سے رہے

حجام تخلص شخصے است حجام در شاہجہان آباد، متصل مدرسہ غازی الدین خاں

دوکانِ سخن را گرم داشتہ مضمون تراشی مے نماید لیکن ازیں شعرِ او معلوم شد کہ کلامش بے اصلاح است در موشگافی معانی قصور دارد۔ شعر اینست ؎

کام کیا زور یہ حجّام نے — شیخ کی ڈاڑھی کو قصر کر گیا

میر حامد نصیری درویشِ گوشہ نشیں بکمالِ صلاح و تقوے متواضع و مؤدب از مریدانِ حضرت میر نصیر دام افضالہ کہ الحال جانشینِ حضرت خواجہ محمد باسط نوّر اللہ مرقدہٗ ہستند غرض ہمانجا بر دروازۂ پیرِ خود از سرِ اعتقاد بسر می برد، شوق شعر بمرتبۂ دارد کہ در گفتن نمی آید، اشعار بسیار جمع نمودہ چوں مزاولت اکثر بشعر و سخن دارد گاہ گاہے بعد از سال و ماہے بیتے یا رباعی موزوں میکند خدایش سلامت دارد، رباعی از وست ؎

دنیائے دنی کو جو کہ فانی سمجھے — اور قصۂ عمر کو کہانی سمجھے
دریائے حقیقت کو وہی جا پہنچے — جو مثلِ حباب زندگانی سمجھے

حضور تخلص شخصے ہندو در شاہجہاں آباد در طب و یابس بسیار دارد ؎

زبانِ شمع سے روشن ہوا یہ اہلِ مجلس پر — کہ یاں جو دم گزرتا ہے ترقی ہے تنزل میں

میر حیدر علی گلِ بوستانِ سیادت و سروِ جوئبارِ شرافت از نجبائے زماں میر حیدر علی المتخلص بہ حیران، جوانے است شگفتہ رو نیکخو، سلیقۂ سخنش نہایت خوب و فکرِ دلپذیرش بس بے مرغوب اصل وے از شاہجہاں آباد است الحال در لکھنؤ استقامت دارد و از شاگردان

لالہ سرب سکھ کہ شاعرِ فارسی است و دیوانہ تخلص دارد، با فقیر بسیار دوستی دارد، سلامت باشد۔ ؎

دکھ اس سے کون کہیے تابِ التماس کہاں — کسے ہے ہوش بجا دل کہاں حواس کہاں
ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربط بڑے — تمہیں اب آنکی فرصت ہمارے پاس کہاں
ہوا نہ ہمکو کبھی سیرِ باغ و گشت نصیب — کریں گے زیست کا کیا یاد ہے زشت نصیب
دلِ ستم زدہ کا آج پوچھتے ہو حال — غمِ فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب

کٹی شب کس توقع پر ہماری عین سے حیراں — اب آیا دم میں آیا دن تواں باتوں میں کٹتا ہے
اپنے جانیکا نہ واں ڈھنگ ہے نہ رات کو ڈھب — دیکھیے کیسی بنے آن پڑی بات کو ڈھب
رہے بن کوئی گھڑی دل نہیں لگتا اپنا — یار بن آپڑی اپنی نہٹ اوقات کو ڈھب
درد دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا — کل میسر ہوئی حیراں کو ملاقات کو ڈھب
نظر تیری ادھر کو اس طرح اے یار پڑتی ہے — لٹیری فوج جیسے لوٹ پڑ اکبار پڑتی ہے

قطعہ

کل کہا میں نے میرے گھر چلیے — اس میں کچھ کم تو ہوگی محبوبی
سن کے تیوری بدل کے کہنے لگا — رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی
مجھسے کہنا ہے میرے گھر چلیے — دیکھیے اختلاط کی خوبی
کلیجا بھن گیا کیتاک کروگے ہائے بیدردی — اٹھوں میں ہی جہانسے یا کہ اٹھ جائے بیدردی

از شعرائے دوران و فصحائے زمان غنچۂ گلشنِ محبت میاں جعفر علی المتخلص بہ حسرت طبعش از چمن خوبی بشکل طوطے برخاستہ و دُرجِ فطرتش رشتۂ سخندانی از جواہر معانی آراستہ شربتِ عذبِ بیانش را قوام عالی و گوہرِ طبع روانش را نظم متوالی، خلفِ میاں ابو الخیر کہ بہ پیشۂ عطاری در لکھنؤ متصلِ اکبری دروازہ بسر می برد، جولانیِ طبعش از حد گذشتہ قصیدہ ہا در زمین مشکل گفتہ، فکر ہر کس بقدر ہمتِ اوست، حالا بوسیلۂ فنِ شاعری در سرکار حسن علیخاں بہادر سرفراز است، مدتے اصلاحِ سخن از رائے سرب سنگھ گرفتہ الحال منحرف است غرض مثل او پیدا نیست خدایش سلامت دارد کثرت شاگردانش چنانست کہ در صورت شناسی خود ہم حیرانست ؎

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے — لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے
برنگ آبلہ اے وائے یہ کیا زندگانی ہے — کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اُسی کو سرگرانی ہے
جبتلک سینے میں دل تھا داغ بھی جلتا رہا — بجھ چراغ اب گھر ہوا مالک جو تھا جلتا رہا

پیتے تیر نگہ سے دل اگر یوں ہو تو بہتر ہے
بنے غربال کی صورت جگر یوں ہو تو بہتر ہے

کہے وہ اپنے منہ سے قتل حسرت کو کیا میں نے
مرے مرنے کی عالم میں خبر یوں ہو تو بہتر ہے

سرشکِ گرم یہ جیبن بحر سے ملے نکلے
حباب ہو کے وہیں اسپہ کیلے نکلے

تمام دن تھے جدا آہ شمع و پروانہ
ملے جو شبکو تو آپس کے سب گلے نکلے

رقیب نے ہمیں تو ام ہو جسطرح بادام
جو توڑا اس سے تو دونوں کے دل ملے نکلے

تم جو کہتے ہو کہ حسرت کو ق آہ و فریاد یاں کیا نکرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے
درد دل کی کوئی دوا نکرے

اے شوق کیا ہے یاد تجھے آہ ستمبرد
کی تو نے دل پہ لاکھ سرِ راہ دستبرد

چھینا ہے تو نے ہیں دل پُر خوں حنا سے یہ
ثابت ہے تیرے ہاتھ یہ واللہ دستبرد

دل رکھتے تھے بساط میں حسرت سو دے چکے
اب غارت اس دیار میں ہو خواہ دستبرد

انتشار رسوا یہ دل زار ہوا کچھ نہوا
کچھ بھی یہ عشق سے بیزار ہوا کچھ نہوا

دلمیں سو بات تھی پر اسنے جو پوچھا احوال
مجھسے کچھ دردِ دل اظہار ہوا کچھ نہوا

سارے ہستی کے بکھیڑے ہیں وگرنہ دمِ مرگ
کچھ سر انجام بھی درکار ہوا کچھ نہوا

کاشکے عشق جتاتا نہ میں اس کو حسرت
میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہوا

مثال اس شمع کے جسکو ہوا نے تند لگتی ہے
ہماری ساعت آپہنچی ہے اب خاموش ہونیکی

ہوئے ہیں اسقدر آفت زدے ہمتو کہ اب ہم ہیں
نہ کیفیت ہی ہنسنے کی نہ کچھ لذت ہے رونیکی

در ہندوستان رسم است کہ برائے پوشیدن پستان اکثر زناں دامن را گریبان میکشند دریں مقدمہ میگوید ؎

شاید اس دامن میں پیارے خونِ بے تقصیر ہے
تیرا دامن آج کیوں تیرا گریباں گیر ہے

رباعی

دل درد بتاں سے آہ کیونکر نکرے | پر آہ تو تب کرے جو ان سے نہ ڈرے
وہ شکل ہے جیسے دشمنوں ہیں گھائل | دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے

پارہ از احوال فقیر مؤلف کتاب

پوشیدہ نماند کہ اصل این فقیر این غلام حسین ولد میر عزیز اللہ بن میر اماجی ہردی از ہرات است میر اماجی نور اللہ مرقدہٗ ہفت قلم و فاضل متبحر بودند بہ سبب فضیلت در شاہجہان آباد آمدہ بین الاقران ممتاز گردیدند گاہ گاہ شعر ہم میفرمودند پس این عاجز سخن را سر رشتۂ شاعری اجدادی است نہ امروزی، حاصل کہ از صغر سن میلان طبیعت این فقیر بطرف سخن بیشتر بود بارے حقتعالے درین فن کم و بیش موافق ظرف استعداد قبولیت بخشید اصلاح سخن از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ ام لیکن طرز ادا و شان از من کما حقہ سرانجام نیافت بر قدم دیگر بزرگان مثل خواجہ میر درد و مرزا رفیع سودا و میر تقی پیروی نمودم — شروع جوانی از گردش روزگار بدینجا رسید کہ ہر گز بہ کسے وفا نکردہ است بطرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم - بارے کم و بیش از قدردانی نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر دام اقبالہٗ بلب نان رسیدہ در خدمت مرزا نوازش علیخان بہادر صحبت گزیدم کہ خلف ارجمند اوست چنانچہ تا حال بہر نوع گزران مے نمایم اکثر بفرمائش نواب معلی القاب مرثیۂ امام علیہ السلام نیز بہ گفتن می آید از آنکہ طبع عالی آن بزرگوار در ہمہ فن بلند نہاد است علی الخصوص در علم موسیقی کہ از حصر و بیان بیرون است، سوز ہائے مرثیہ طرح می نمایند واین حسنہ برائے آخرت است، ایزد اسلے اللہ و سردار جنگ بہادر نیز ہمین طور درین فن ذہن رسا و گوش شنوا دارد حقتعالی عمر دولت ایشان را تا جہان است مع فرزندان قائم دارد - فقیر درین مدت قریب ہفت ہشت ہزار بیت گفتہ باشد و یک ترکیب بند و یک

رموز العارفین گفتہ است کہ مقبول دلہا گردیدہ مشہور شدہ است دوسہ بند اوورا و اخر قلمی خواہد شد، اول چند اشعار برائے یادگار درذیل این بزرگان مسطور می نماید شاید کہ مقبول دلہا افتد ؎

گرچہ از نیکان نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام   در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

مطلع سر دیوان فقیر حسن تخلص ؎

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا   تو چاہیے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا
رکھتے ہیں نہ کچھ نام ہی اپنا نہ نشاں ہم   کیا نام و نشاں پوچھو ہو بے نام و نشاں کا
سر دیویگا جس دن تو حسنؔ تیغ کو اُس کی   اسرار کھلے گا جبھی اس سرِّ نہاں کا
چھوٹا نہ وہاں تغافل اس اپنے مہرباں کا   اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا
وہ دن گئے کہ گلشن تھا بود و باش اپنا   اب تو قفس میں بھولے نقشہ بھی گلستاں کا
عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائیگا   راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائیگا
تو گرفتاری کے باعث مضطرب صیّاد ہو لا   لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائیگا
قیامت مجھ پہ شب اُسکا ترحّم اور تظلّم تھا   کبھی تھیں گالیاں منہ پر کبھی لب پہ تبسّم تھا
کہا میں کہ بھرتا ہوں دم آپ کا   لگا کہنے صاحب کہ ہم آپ کا
کیا جانے اسکے جی پر کیا کچھ خیال گزرا   کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا
ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں   روتے ہی روتے جسمیں روزِ وصال گزرا
کچھ تو صدا ہی آہ تہِ خاک بھی کہ جو   اودھر کو لگ رہا ہے حسنؔ گوش نقش پا
لے صبح سے تا شام اُسی نام کو جپنا   اور شام سے تا صبح غم و درد میں کھپنا
اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا   جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا
جینے ملنے میں تمھارے دو جہاں چھوڑ دیا   تم نے تنہا بھی اب اس دل سے نہاں چھوڑ دیا
چھوڑ دے کوئی کسی کے لیے جس طرح سے کچھ   ہم نے منت میں تری کون مکاں چھوڑ دیا

اتنی جاگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا
تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھکو کیا

میں ہوں آئینہ تو اپنا ہے تماشائی آپ
تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں محو کیا

گو اب رہا تو کیا ہے پر اک روز جائیگا
مجھ پر قیامت ایک نہ اک دن تو لائیگا

کرتے تو قتل مجھکو کیا ہے پر اب حسن
کیا کیا نہ اپنے جی سے وہ باتیں بنائیگا

وہ ملکِ دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

جز اشکِ بلبل اب نہیں گل شاخسار پہ
کیا اوس پڑ گئی ہے چمن میں بہار پہ

وصل بھی ہوگا حسن تو ٹک تو استقلال کر
حال اپنا ہم سے کہہ کہ ہم کو مت بیحال کر

اے گردبادِ طرفِ چمن ٹک گزار کر
بلبل کے پر پڑے ہیں گلوں کے نثار کر

بے چیز تو نہیں یہ حسن اس گلی میں روز
جا جا کے بات کرنی ہر اک سے پکار کر

جس طرح ہو کوئی حیران رہے حیران دیکھ کر
دل پریشاں ہو گیا زلفِ پریشاں دیکھ کر

دامنِ صحرا سے اُٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

نہ رہا گل نہ خار ہی آخر
اک رہا حسن یار ہی آخر

اب جو چھوٹے بھی ہم قفس سے تو کیا
ہو چکی واں بہار ہی آخر

اس شوخ نے پھینکا ہے مگر تیر ہوا پہ
جاتا ہے جو دل کا مرے نخچیر ہوا پہ

ٹک کبھو حذر نالۂ جاں سوز سے میرے
ہے برق کے مانند یہ شمشیر ہوا پہ

آبادِ شہرِ دل تھا اُسی شہر یار تک
اب کوئی آ پھرے نہ اس اُجڑے دیار تک

قسمت نے دور ایسا ہے پھینکا ہمیں کہ ہم
پھر جیتے جی پہنچ نہ سکے اپنے یار تک

دیکھا جو واں نہ مجھکو گماں سو طرف گیا
آئے نہ ہوتے کاشکے ہم کوئے یار تک

آتشکدۂ دہر میں جو بیٹھے ہم
شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ حسن وصل میں اور
لذتِ ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالے نہ کریں مرغِ گرفتار قفس میں

اس ملنے سے ہو دل کو بھلا کیونکا تسلّی — اکبار کہیں چھپکے ملیں لاکھ برس میں
دم رُکتا ہوا آتا ہے لب تک ترے غم سے — عقدے پڑے ہیں اسکہ مرے تارِ نفس میں
اشکوں سے حسن کیونکے نہو رازِ دل افشا — پانی کے چھڑکنے ہی سے بو ہوتی ہے خس میں
اُس کی جب بزم سے ہم ہوکے تنگ آتے ہیں — اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں
حسن میں جب نہیں گرمی تو جی دیوے کون — شمعِ تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ہیں
اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں — ہوں گر آزردہ بھی ایسے ہی تو بولا نہ کریں
روز و شب ہم کو اسی فکر میں گذرے ہے کہ ہم — عشق میں اسکے حسن کیا کریں اور کیا نہ کریں
ترے بن باغ میں جسوقت غنچۂ گل کے کھلتے ہیں — خراشِ ناخنِ غم سے جگر کے زخم چھلتے ہیں
نہ لیٹ اسطرح منہ پر زلف کو بکھرا کے اے ظالم — ذرا اُٹھ بیٹھ تو اسدم کہ دونوں وقت ملتے ہیں
سماں تھا کل عجب ہو نے سنی تیرے شوخ محفل میں — کہ سو سو آرزوئیں مضطرب پھرتی تھیں دل میں
ہے سزا دل کی جو زلفوں کے گیا پھیرے میں — نکلے کیوں نکلا اکیلا جو پھنسا پھیرے میں
مردمِ چشم نے پلکوں کی چڑھا سنگینیں — ایک عالم کو نظر بند کیا پہرے میں
حسن گر پارساؤں میں تو ناچاری سے ہوں ورنہ — نظر ہے جام پر میری سدا اور دل ہے شیشے میں
حسن مت یاد کر اُن صحبتوں کو — سدا یکساں نہیں رہتی کسی کی
کبھی جب جا کرے بارش تو یہ کہدیجو دہقاں کو — کہ اپنی کشت پر لیجائے میری چشمِ گریاں کو
نہیں تقصیر کا ٹوٹکی مرا چھالا ہے پاؤں کا — برنگِ کہربا کھینچے ہے خود خارِ مغیلاں کو
رہنے نہ دیگا اس بن یہ دل تو ایکدم بھی — کیوں روٹھ کر ہم اپنا کھو دیں عبث بھرم بھی
ہزار حیف کچھ اپنی ہمیں خبر نہ ہوئی — تمام عمر گئی پر یہ ہم بسر نہ ہوئی
شبِ فراق میں رو رو کے مر گئے آخر — یہ رات جیسی تھی ویسی رہی سحر نہ ہوئی
یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا — کبھی اس طرف بھی کرم تھا کسی کا
نہ رہتی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو — حسن تجھکو کیا رات غم تھا کسی کا

جان و دل ہیں اداس سے میرے
اٹھ گیا کون پاس سے میرے

کبھی کبھی جو ترے دل میں ہوش آتا ہے
تو پھر تری ہی محبت کا جوش آتا ہے

دریا میں ڈوب جاوے کہ یا چاہ میں پڑے
اے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے

آجا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا
تکتے ہیں راہ تیری سر راہ میں پڑے

یوں غیر کچھ کہیں تو بلا کو بری لگے
تو کچھ نہ کہ کہ ہم غربا کو بری لگے

اس بت کی بندگی سے نہ آزاد ہو حسن
یہ بات بھی کہیں نہ خدا کو بری لگے

بکلی مجکو نہیں ہر گلبدن کے واسطے
جان لب ہوں اپنے اس غنچہ دہن کے واسطے

کچھ سنا تھا حق میں اپنے ایکدن تجھ سے سخن
سیکڑوں سنتا ہوں باتیں اس سخن کے واسطے

بے جگہ عاشق ہوا ہے کیا کریں کچھ بس نہیں
جی تو کڑھتا ہے بہت اپنا حسن کے واسطے

کہتا ہے تو کہ تجھ سے میں ہیں نباہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو سچا میں یوں ہی چاہتا ہوں

مجھ پر تو یہ تیرا ستم و جور کچھ نہیں
لیکن ترے ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں

روٹھا کرے نہ کیوں وہ کسی اور سے حسن
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

جان میں جان تبھی قیس کے بس آتی ہے
ناقہ لیلیٰ کی جب بانگ جرس آتی ہے

ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دلبر کو
میں بھی جی رکھتا ہوں مجکو بھی ہوس آتی ہے

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دن
فصل گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے

جب قفس میں تھے تو تھی یاد چمن ہمکو حسن
اب چمن میں ہیں تو پھر یاد قفس آتی ہے

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

دیکھنا زلف و رخ تمھیں ہر وقت
شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
یہ ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی

کچھ ہو نہ وصل ہو تیرا خیال ہر دم
اس بن نہیں گزرتی اس بن نہیں گزرتی

نہ ہم ہوش میں مے پرستی سے گزرے
ہوے جبکہ بیہوش مستی سے گزرے

نہ ٹھہرا ذرا قافلہ اس سرا میں
لیے حسرتیں یاں کی بستی سے گزرے

رہے جس میں خطرہ سدا نیستی کا
بس اے زندگی ایسی ہستی سے گزرے

آنکھوں کو اسکی دیکھا تو مستی نظر پڑی
پھر ساتھ اسکے بادہ پرستی نظر پڑی

سارا جہان خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر
بارے تو آج آیا تو بستی نظر پڑی

سوجھا ہمیں نشیب و فراز زمانہ تب
جب عشق کی بلندی و پستی نظر پڑی

وصل کا عیش کہاں پر غم ہجران تو ہے
لب خنداں تو نہیں دیدۂ گریاں تو ہے

آرزو اور تو کچھ ہم کو نہیں دنیا میں
ہاں مگر ایک ترے ملنے کا ارماں تو ہے

حال کیا پوچھے ہے حیرتکدۂ دہر کا دیکھ
آئینہ یا تکا ہر ایک دیدۂ حیراں تو ہے

جو چاہے آپ کو تو اُسے کیا نہ چاہیے
انصاف کر تو چاہیے یہ یا نہ چاہیے

مجھ سے نے تجھکو چاہا تو چاہا عجب نہیں
تجھ سا جو مجھکو چاہیے تو پھر کیا نہ چاہیے

نہ تو آہ و نالہ ہی نکلے ہے نہ اُٹھے ہے کل سی صدائے دل
تو خبر تو سینے میں لے سخن کہیں جل لیا ہو ہائے دل

چند اشعار بطور قدماے ایہام بندان گفتہ شد

سجن جل جاؤنگا میں رشک سے مت دیکھ آئینہ
دکھاتے غیر کو منہ آرسی تجھ کو بھی آئی نہ

مژگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گلی کے تنکے
رہتے ہیں ہم دو اپنے روزِ ازل سے تنکے

اکدم میں بھوت ہیں وہ اکدم میں ہیں فرشتہ
ہم آشنا ہوئے ہیں دو چار دن سے جنکے

کیا ڈھنگ ہو ویں اب کے دیکھیں تو حسن کے
صحرا کو پھر یہ نکلا مجنوں کے حال بن کے

سبزے نے تیرے خط کے آنے کی دھوم ڈالی
خضری خبر اُٹھی ہے تحقیق ہو سکے آج

غزلے گفتہ بودم کہ در سہ بحر خواندہ مے شد، آتش کہ بیخانہ افتاد و سوختہ شد چنانچہ
ایک مطلع قلمی سے شاید ہے

کہے تو غم تیرے آگے کہوں تک ایک بیاں　　نہیں ہے تاب مجھے دل میں جو رکھوں اسے پنہاں

اول بحر ہزج مفاعیلن ہشت بار، دوم بحر رمل مثمن مخبون فعلاتن ہشت بار، سوم بحر مجتث مخبون مفاعلن فعلاتن چہار بار

رُباعی

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے　　مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو　　اب تک تو کئی بار تم آجاتے تھے

دیگر

دنیا داری میں اور نہ دینداری میں　　چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
حیرتکدہ دہر میں تصویر کی طرح　　سویا کرتے ہیں عین بیداری میں

بند اول ترکیب بند

ہر ایک بزم میں ہے اُس کا ذکر صبح و مسا　　ہر ایک ملک میں ہے اُس کے حسن کا شہرا
ہر ایک چشم میں ہر دل میں ہے اُسکی جا　　ہر ایک ملت و مذہب میں اُس کا ہی چرچا
ہر ایک جان کو بلبل صفت ہے اُسکی ہوا　　اگرچہ اور بھی گل ہیں بہت بہ نام خدا

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

مقطع دیگر از غزل فقیر را بسیار خوش آمدہ بود، قلمی مے نماید ؎

پہنچے نہ حسن منزل مقصود کو ہم اور　　آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

ردیف الحاء

اول احوال متقدمین | این بیت اول بطریق تیمناً و تبرکاً از کلام معجز نظام

حضرت امیر خسرو قدس سرہٗ نثر قیم مے نماید و احوالِ آں بزرگوار مشہور معروف است ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل و ورائے نیناں بنائے بتیاں
چو تابِ ہجراں ندارم ایجان نہ لیہو کاہے لگائی چھتیاں

خوشنود تخلص مردِ دکھنی بود احوالش معلوم نیست او راست ؎

سب رین جاگے سیج پر تو بھی سجن آیا نہیں | چھپ چھپکے دیکھی باٹ میں درشن دکھلایا نہیں

خاکی تخلص مردے بود درویش از شاہجہاں آباد در عہدِ جہانگیر احوالش معلوم نیست

از یکہ دیرے ایں شعرش بگوش خورد، از دست ؎

ٹھانی ہے اپنے من میں اب تو یہی سریجن | تجھ پیم کی گلی میں خاکی کو خاک ہونا

احوالِ متوسطین نتیجۂ باعِ مکرمت و وقار محمد یار المتخلص بہ خاکسار مردے

بود خادم درگاہِ قدم شریف صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، آنچہ میر تقی در تذکرہ خود نوشتہ

است کہ خود را بسیار دو میکشد غالب کہ ایں حرف راست نباشد و بر تقدیر اگر دو در کشید

بہ نزدیکِ ایں فقیر بجاست، شخصے کہ خادم چنیں درگاہ باشد اگر دماغ بر فلک رساند

رواست، دیگر دلیل بر بطلانِ اینہا اینکہ اگر ہمچنیں مے بود "خاکسار" تخلص نمی نمود

مگر در مزاج متانتے خدا داد بود مدتے شد کہ جاں بجاں آفریں سپرد، خدا اش بیامرزد

؎

تیری زلفِ سیہ سے اے پیارے | مجھ کو اک سر ہزار سودا ہے
خاکسار اُس کی تو آنکھوں کے گہے مت لگیو | مجکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

میر تقی میگوید کہ اگر بجائے "بیمار کیا" "گرفتار کیا" مے شد بہتر مے بود لیکن در عقلِ فقیر

چنیں میگزرد کہ اگر چشم خود مے بود گرفتار مناسب بود چوں اینجا چشم معشوق است بیماری

صحت دارد۔ ؎

تیغِ قاتل سے ہے محروم سبے تقصیر ہم | روزِ محشر کو اُٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر — یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے
کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں — آہ جوں شمع ہی راحت مجھے جلجانے میں
قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
رونے سے خاکسار کے روتا نہیں ہے کوئی — اس خانماں خراب کو جیکا خدا کرے
عشوہ و ناز کو ترے پیارے — یہ ترا خاکسار جانے ہے
شانہ آہستہ کیجیو حجّام — تار اس زلف کا رگ جان ہے

بدر النساء بیگم، دختر نواب قمر الدین خاں وزیر ہندوستان، چوں خالۂ نواب عماد الملک بود مشہور بہ خالہ بیگم گردید باما درِ نواب غالب جنگ احمد خاں مرحوم در فرخ آباد بسر می برد ہمانجا بجوار رحمتِ ایزدی پیوست ایں شعر بنام او شنیدہ شد ؎

کہا تھا سارباں کے کان میں لیلی نے آہستہ — کہ مجنوں کی خرابی کا کہیں مذکور مت کیجیو

از جملۂ متاخرین گھاسی رام خوش دل، تخلص مے نماید از شاہجہاں آباد است در فیض آباد بکار صرّافی مشغول است طبعش موزونست از قافیہ و ردیف واقف نیست ؎

تو جو چاہے کہ رہے حسن پہ مغرور سدا — یہ غلط ہے نہیں نبھنے کا یہ دستور سدا
تارِ طنبور و نئے و بین و صدائے مطرب — ہر زباں میں ہے صنم تیرا ہی مذکور سدا

ردیف الدال

دریں سلک از متقدمین کسے گزشتہ باشد بنظر فقیر نرسیدہ مگر از متوسطین مرزا داؤد بیگ داؤد تخلص در عہدِ فردوس آرامگاہ بود از دست ؎

زلفِ دلبر سے مجھکو سودا ہے   خلق کہتی ہے تجھکو سودا ہے

شاہ فتح محمد المتخلص بہ **دل** متوطن اکبرآباد است از نبیرۂ محمد غوث گوالیاری ہمعصر میاں آبرو تلاشش لفظ تازہ بروضع قدیم دارد در کمال تجرید بوسیلۂ طبابت در فیض آباد بسر می برد سلامت باشد ہ

کیا نکیلی تیز تر دیکھی ہیں مژگاں یار کی   ہمنے سوئیاں بھی نہیں دیکھیں کبھی اس سار کی

با بیگانہ بیگانہ و با آشنا آشنا میاں فضل علی المتخلص بہ **دانا**، جوان محمد شاہی سپہ فام ریشش بلند از قوم افغان بود با ہمہ معاصرین خود خوش خلقی داشت تا آن خوبصورتی اکثر لباسِ سیاہی پوشید، یاران بروضع او خندہ میکردند و خود ہم تبسم میفرمود غرض مرد زندہ دل بود از مدتے بطرف بنگالہ رفت خبرش نیست از دست ہ

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا   یہی توحید میں مصرع سرِ دیوان ہے میرا
تجھ انتظار میں پیارے مثالِ آئینہ   تمام عمر پلک سے مری لگی نہ پلک
دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا   یوسفِ مصر اگر تو ہی ہے اک یار عزیز

محمد فقیہ المتخلص بہ **دردمند**، جوان محمد شاہی بود نظر کردۂ حضرت مظہر جانجاناں رح سوائے ہمیں ساقی نامہ دیگر اشعارش بنظر نرسیدہ، غرض کہ بسیار با نمک گفتہ و گوہر معانی سُفتہ، من ساقی نامہ ہ

ارے ساقی ایجان فصلِ بہار   یہی تھا ہمارا اور تیرا قرار
ستم سے گزر کچھ تو انصاف کر   خدا سیتی ڈر کچھ تو انصاف کر
تامل سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ   کہ لبریز ہی باغ تا دشت و کوہ
اس آتش میں میرا نہ کر دل کباب   نکی میری طاقت کے زہری کو آب
کہ ہیں جان بلب اُن پیالے کی طرح   لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح

در قسمیہ میگوید ہ

تجھے وعدہ کر بھول جانے کیسوں　　تجھے اپنے سوگن دکھاتے کیسوں
شبِ عید کی تجکو جاووں کسوں　　تجھے اپنے منہ دیکھے پاؤں کسوں

در تعریف اہلِ چمن

نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف　　شگوفے کو مستی سے آئے ہیں کف
ہوا کے نشے نے کیا اسکہ زور　　پڑا آب مستی سے کرتا ہے شور

در اشتیاق گوید

ارے ظالموں مفت ہے یہ بہار　　کہاں یہ نشہ پھر کہاں یہ خمار
نیٹ نقش بر آب ہے یہ جہاں　　ٹک اک موج میں ہم کہاں تم کہاں
نہ یہ مے نہ یہ باغ رہجائے گا　　نہ ملنے کا اک داغ رہجائے گا

حکایت بر سبیل تمثیل

لگن میں پڑا ایک پروانہ رات　　یہ کہتا تھا ارباب مجلس کے ساتھ
کہ اس بے پرو بال کی عرض ہے　　کہ ابلاغ اُس کا تمھیں فرض ہے
مرا شمع سے یہ سندیسا کہو　　اسے خوب سمجھا کے اتنا کہو
یہی تھا لکھا میری قسمت کا جاں　　قیامت تلک ہجر و وصل ایک آن
جو تجکو مرا خوش نہ آیا ہے حال　　تو تجکو شکایت کی کب ہے مجال
سراپا مرا گرچہ آتش میں ہے　　سعادت مری تیری خواہش میں ہے
وہی کر تو جس میں ترا کام ہو　　ولیکن نہ اتنا کہ بد نام ہو
یہ کہکر کیا کام اپنا تمام　　ہوا زندگانی کا روز اسکی شام

جو کوئی عشق میں اس ادب سے مرے — خدا تا ابد اُس پہ رحمت کرے

ــــہ شعر

قفس تک بھی نہ پہنچے اور چھٹے دو آشیانے سے — عجب ساعت میں بچھڑی تھی چمن کے آستانے سے

بوستان حلاوت وگلستان طراوت ورزمرۂ دردمندان فرد کرم اللہ خان درد ہمشیرہ زادۂ نواب عمدۃ الملک، جوان محمد شاہی بودہ طوطی طبعش نکتہ پرواز و بلبل فکرش با عندلیب ہم آواز طرزش عاشقانہ و سخنش دردمندانہ وقتیکہ در شاہجہان آباد ہنگامۂ مرہٹہ برپا گردید چند کافران برائے غارت بر ناموس سید علی عسکر گبرے ریختند این جوان خدا پرست للہ برائے ناموس میر مذکور از دست مقہوران شہید شد خداش بیامرزد، از وست ــــہ

آتش عشق سے رشتہ ہے مری جان کے بیچ — شمع ساں جل کے اٹھو لگا ابھی اک آن کے بیچ
سامنے ہوتے ہی پھر نقش نہ پائے دل کے — بٹ گیا نوک سنان پر صف مژگان کے بیچ
اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے — تو پوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
ہر اک دم سانس ہو کر پھانس مجھ دل میں کھٹکتی ہے — اگر جی کی خلش نکلے تو کیا آرام ہو جائے
تری ترچھی نگاہوں نے رکھا ہے نیم بسمل کر — اگر پھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جائے
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایکدم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
کنارے سے کنارہ کب ملا ہے بحر کا یارو — پلک لگنے کی لذت دیدۂ پر آب کیا جانے

سالک مسالک مکاشفات دینی وناہج مناہج مجاہدات یقینی از عرفاے عالیمقام وفقہاے ذوی الاحترام بر آسمان سخن مانند خورشید فرد حضرت خواجہ میر المتخلص بہ درد، از عالمان خوش ذات واز درویشان نیکو صفات، طنطنۂ فضل وکمال و دبدبۂ جاہ وجلال او بفلک رسیدہ وطناب خیمۂ فکر عالیش چون شعاع مہر از مشرق تا مغرب کشیدہ در بحر ضمیرش ہمہ گوہر ناسفتہ وبر گفتۂ او عقل آفرینہا گفتہ، مرشد بوادی

حقیقت و رہبر بمیدانِ شریعت دلِ آگاہ وے مخزنِ اسرار خدائی صفائے باطنش محرمِ کعبۂ کبریائی خسروِ اقلیمِ حال و قال جامعِ صفات جلال و جمال خلف حضرت خواجہ ناصر قدس سرہٗ اصلش شاہجہان آباد شاعرِ فارسی و ہندی است نے غلط این چہ لائقِ اوست بل شعر گفتن دون مرتبۂ اوست، اکثرے از دستِ عسرت پریشان شدہ بطرفے رفتند لیکن آن ثابت قدم تکیہ بر توکل نمودہ قدم از جا بر نداشت تا حال در شاہجہان آباد مقیم است، دیوانش اگرچہ مختصر است لیکن چون کلامِ حافظ سراپا انتخاب دام افضالہ

مقدور ہمیں کب ہی صحیفوں کے رقم کا / حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی / کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا
اکسیر پہ ہوّس اتنا نہ ناز کرنا / بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا
ہم نہیں جانتے ہیں اے درد کیا ہے کعبہ / جیدھر ملے دو ابرو ہم کو نماز کرنا
آرام سے کبھی ہی نہ اک بار سو گئے / ایسے ہمارے طالعِ بیدار سو گئے
خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے / آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
یارب مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا / پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا
عاشقِ بیدل ترا یا تنگ تو جی سے سیر تھا / زندگی کا جو اُسے دم تھا دمِ شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی / جب تلک پہنچی ہی پہنچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
شیخ کعبے ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو / درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا
مدرسہ یا دیر یا کعبہ تھا یا بتخانہ تھا / ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحبخانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا / خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
ہو گیا مہمانسرائے کثرتِ موہوم آہ / وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا
بھول جا خوش رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر / درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا
جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا / تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی   جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری   آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی   ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
اگر یونہی یہ دل ستاتا رہیگا   تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے   مری یاد تجھکو دلاتا رہیگا
بھلا کوئی تم میں سے اے ہمصفیرو   خبر گُل کی ہم کو سُناتا رہیگا
گلی سے ترے دل کو لے تو چلا ہوں   میں پہنچوں گا جبتک یہ آتا رہیگا
خفا ہو کے اے دردؔ مر تو چلا تو   کہانتک غم اپنا چھپاتا رہیگا
مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہگیا   ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہگیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمانسرائے ہے   غم رہگیا کبھی کبھی آرام رہگیا
تم نے تو ایک دن بھی نہ ادھر گزر کیا   ناچار ہو کے ہم نے ہی ادھر سفر کیا
پیکان و دل کے ساتھ ہوا جب معانقہ   سینے سے تب خدنگ تے میرے گزر گیا
تجھی کو جو یاں جلوہ فرماں دیکھا   برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے   ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا   بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا   پر وہ کیا کچھ تھا کہ دل کو بھا گیا
میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات   پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا
کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و میخانا   مثال زندگی بھرتے ہیں اپنا آپ پیمانا
کسی سے کیا بیاں کیجیے اس اپنے حال ابتر کا   دل اُٹھ سکے ہاتھ دو بیٹھے جیسے جانا نہ پہچانا
دل کو لیجاتی ہیں محبوبوں کی خوش اسلوبیاں   ورنہ ہیں معلوم ہمکو سب اُنھوں کی خوبیاں
درد دل کیو اسطے پیدا کیا انسان کو   ورنہ کچھ طاعت کی خاطر کم نہ تھے کرّوبیاں

گلیم بخت سیہ سایہ وار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بتان کے جبر اُٹھائے ہزار ہا لیکن
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

ہم کس ہوس کی تیجے فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

مٹ جائیں ایکدم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئینہ کے سامنے ہم ایک ہو کریں

تیرے سوا نہیں کوئی دونوں جہان میں
موجود ہم جو ہیں بھی تو اپنے گمان میں

ادھر بھی اہلِ بزم توجہ ضرور ہے
کچھ کچھ کہے ہے شمع بھی اپنی زبان میں

نہ ملیے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

حسن و عشق مل بیٹھیں گے آپس میں جو کچھ ہوگا
پر ان دونوں کے اُلجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہو

ارض و سماں کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے یہ کہ جہاں تو سما سکے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
پر نہ آجائے کبھی جی میں کہ آزاد کرو

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جبتک تری جستجو ہے
زبان جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے — جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول — دل میں کسی کے آہ کوئی راہ کیا کرے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے سونی — ہوا کیا درد کو یارب گلی کیوں آج ہے سونی

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا — پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن — میں نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

شب گزری و آفتاب نکلا — تو گھر سے بھلا شتاب نکلا
ایدھر کو جو مسکرا کے دیکھا — کچھ تو جی کا حجاب نکلا

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم — تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی — ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

قطعہ

یہی پیغام درد کا کہنا — گر کوئی کوئے یار میں گزرے
کونسی رات آن ملیے گا — دن بہت انتظار میں گزرے

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رند شرابی کا — بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا
میں اپنا درد دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں — بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اس سے — مذکور کسی طرح سے جا کیجیے اس سے
جوں جوں وہ کٹی ہے تو یہی آئے ہے جی میں — پھر چھیڑیے اور باتیں سنا کیجیے اس سے
کہتے نہ تھے ہم درد میاں چھوڑیہ باتیں — پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اس سے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے | جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

بند مخمس از غزل کلیم

کئی قیمت میں اسکے پاس نقد دین کو لائے | کئی دنیا دکھاتے ہیں کہ سودا یونہی بنجائے
مجھے یہ سوچ ہے وہ تو دو فروش ادھر اگر آئے | یہ رہا ہے او چہ در بازیم نہ دینے نہ دنیائے
دلے داریم واندوہے سرے داریم و سودائے

رباعیات

اے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم | جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن | میرے جی کا شگفتہ ہونا معلوم

اے درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا | یوں ضبط جو تجھ سے یک بیک چھوٹ گیا
کیا ایسی مصیبت پڑی تجھ پر ظالم | کہہ تو سہی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا

اے درد بہت کیا پر کھا ہم نے | دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ | جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی | اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
کل اور کوئی بیان کرے گا اسکو | کہتے ہیں ہم آپ اب کہانی اپنی

ہر شب کے لیے کب تئیں مرتے رہیے | کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے
اے درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے | اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

راے سرب سنگھ المتخلص بہ دیوانہ شاعر زبردست فارسی است شعر بسیار

گفتہ است اُستادِ ریختہ گویانِ لکھنؤ۔ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگراں شاگرد اوبیند، در آنجا مشہور و معروف است، در اوائل مشقِ فکر ریختہ ہم میکرد عجب شخصے است خدا سلامتش دارد ازوست ۔

رُباعی

وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے ۔۔۔ وے لوگ کہاں کہ یار باشی کیجے
اب ناخنِ غم سے دل خراشی کیجے ۔۔۔ اک گوشے میں بیٹھ کر دو انے تنہا،

شعر

ریشم کا کیا جگر ہے کہ زہرا گھل نجائے ۔۔۔ دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سو ٹل نجائے

محمد عابد جوانے است مربوط گو و قابل المتخلص بہ دل درسلکِ متاخرین از حروف الدال ساکن عظیم آباد، برادر میاں روشن علی جوشش تخلص، از خوبانِ آن دیار است سلامت باشد ازوست ۔ ع

جیسے صبح کا دیکھنا عار ہے ۔۔۔ وہ کافر ہماری شبِ تار ہے
برنگِ نقش قدم ہمنے بھی زمین پکڑی ۔۔۔ تمہارے درپہ جو درباں نے آستیں پکڑی

میرزا منکو بیگ المتخلص بہ درخشاں سیاہ فام چیچک رو۔ مرد شوقین بود، مرثیہ و غزل و مثنوی ہمہ میگفت، بسیار سادہ وضع بود، مدتے از ارکشمیداز چندے رحلت کرد خدا بیامرزد ۔ ع

مانند شمع میری سحر کو وفات ہے ۔۔۔ یاران وداع عمر کو ہجراں کی رات ہے
آہ مجنون پا شکستہ رہ گیا محمل سے دو ۔۔۔ تھی درائے ناقہ لیلی کی ہردم یہ صدا

حرف الذال

ذاکر تخلص شنیده ام لیکن اشعارش یاد نیست۔

حرف الراء

رنگین تخلص مرزا امانی بیگ پارۂ از احوال متوسطین، از منقدین کسے بنظر نیامده۔ مردیست سپاہی پیشہ خوش اوقات و نیک ذات، جوان محمد شاہی، خط نستعلیق خوب می نویسد، از ملازمان نواب افتخار الدولہ مرزا علیجان بہادر است، از یاران میاں غریب وضع قدیم دارد، ایہام بند است، خدا ایشں سلامت دارد از وست

رات کی بات نہیں کہنے کا تیری پیارے گو چلیں آج مرے سر پہ ہزاروں آرے

ایک مو زلف کا رنگین کو نشانی بھیجا بعد مدت کے کیا یاد صنم نے بارے

آفتاب رائے رسوا تخلص از سلک متوسطین، ہندو پسرے بود، در توپخانہ نوکری داشت، از چندے ترک روزگار نمودہ بریک پیر کمبوه متّو نام تعشق پیدا کرده بود، زبانش بلفظ میاں بسیار آشنا بود، با ہر کہ سخن میگفت میاں میگفت و میگریست۔ کلامش خالی از درد نیست عریاں میگشت، آخر بہماں حالت مُرد از دست

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

قفس سے دوں سے گئے ہم اور چمن میں جا نہیں اُڑیں تو اڑ نہیں سکتے چلیں تو پاے نہیں

وصل میں ہجو دلے ہے اور ہجر میں بنتا ہے اس دو والے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

وہ کونسی زمین ہے جو اشکوں سے نم نہیں　　رسوا بھی اس نے ماننے میں مجنوں سے کم نہیں

نقل است کہ روزے معشوق او زمین درگردش انداختہ میگشت ناگاہ شخصے دیگر
بغرض رسید او راہم از ناز محبوبانہ درآں گرفتاری شامل گردانید، درآنوقت رسوا چہ مناسب
حال این شعر برخواند ؎

دیگرے را در گرفتاری شریک ما مکن　　مدعا گر شہرت حسن است یک رسوا بس است

میر حمزہ علی المتخلص بہ زبدہ اصلش از شاہجہان آباد است، جوان محمد شاہی است
از چندے بطرف بنگالہ رفت، الحال اکثر از زبان یاران معلوم شد کہ در مرشد آباد ترک
لباس نمودہ خدا ایش سلامت دارد، از وست ؎

سینے سے داغ عشق مٹایا نہ جائیگا　　ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

ہندراین راقم تخلص ہندو از قوم کھتری بسیار ریست قد و بلند فکر است، از
شاگردان مرزا محمد رفیع سودا اسلمہ اللہ، در تضمین نمودن مخمس دست بہم رسانیدہ لیسے
بیچ پی میگوید معلوم نیست کہ کجاست۔

یا تا تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو　　تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب　　یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگمیں دوام صبح　　ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض　　ہم کو قسم جو توڑیں ترے برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتے ہیں کہ ہم اور عندلیب　　آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھکر کہیں

دیکھا میں رات جا کر احوالِ چشمِ راقم　　برسات کی اندھیری پتلی کی تھی سیاہی

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے　　اُڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں　　کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

اغلب کہ ایں شعر بے اصلاح باشد چراکہ از افتادنِ عین ناموزوں میشود و درینجا عین می افتد عین خطاست، در دانست فقیر چنیں بہتر میشود ؎

"میرا تو کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں"

از سلکِ متاخرین لالہ ہلاس رائے المتخلص بہ رنگین خلف راجہ مان رائے دیوان مدار المہام پسر محمد علی رُہیلہ است طبع موزونے دارد ہر جا کہ باشد سلامت باشد از وست ؎

اس مصیبت سے جو تو گھر سے نکالے ہی مجھے　　یہ تو بتلا میں بھلا جاؤں کدھر آخر شب

خواجہ صاحب خواجہ حسین علی سلمہ اللہ المتخلص بہ روشن، طبع موزونے دارد، اصلش از شاہجہاں آباد است، جوانے است بکمال انسانیت و حسنِ خلق، چندے بطرف سلطانپور نیز بسر بردہ الحال در سرکار نواب فلک جناب آصف الدولہ بہادر بخدمات قریبہ سرفراز است، خدایش سلامت دارد از وست ؎

رسما اُٹھ گیا ریں آیا　　کیا ہی کا فرہیا ریں آیا

جی میں یہ تھا کہ جان کیجے نثار　　ایکدم بھی وہ بے وفا نہ رہا

شکوۂ ظلم بھی دل سے اُٹھائے روشن　　جب کہا سنے کہیں یار ہوں کہ تکا نکا

آشنائے با صفا مرزا علی رضا المتخلص بہ رضا، از یاران لالہ سرب سکھ، اکثر مثنویہا گفتہ است حسبِ حال خود، شخصے وہب علی نام، بردہ مائل است، احوالِ عاشقی،

خود و معشوقی او بسیار بخوبی در مثنوی بیان نمودہ از وست

دنیا میں کوئی تجھ سا ستمگار نہیں ہے — بیرحم و جفا پیشہ و خونخوار نہیں ہے
سب خلق ہوئی دشمن جاں عشق میں تیرے — افسوس کہ تس پر تو مرا یار نہیں ہے
غمگین رہتا تو نظر آتا ہے سبب کیا — سچ بول کہیں دل تو گرفتار نہیں ہے

مہربان خاں خان بلند مکان شفیق مسافران المتخلص بہ رند در سرکار نواب غالب جنگ بہادر بہ فرخ آباد بخدمت دیوانی ممتاز بود بکمال نیکنامی اوقات بسر بردہ مجلسے رنگین دیرینے ارم تزئین داشت ہر صبا و مسے وواردے را بالقدر استعداد خود و حوصلۂ ادمی نواخت، با اہل سخن ہمیشہ سرگرم سخن و با صاحب ہر فن چون روح در تن محو بحسن اخلاق در فن موسیقی و شاعری ہندی کہ عبارت از گیتہاے باشد طاق امارت ظاہری ہم بمرتبۂ رسیدہ کہ با امرایان سابق و حال انیس و جلیس گردیدہ از شاگردان میر سوز و مرزا رفیع مشہور است، در تصانیف نفیسہ ہم دستے پیدا کردہ چنانچہ اکثر اہل غنا کلِ عشاق را بنغمۂ دل آویز او می برند و بسیاری کلامش را چون کلام سودا و میر سوز سرلوح دیوان خود می نگارند در علم تیر اندازی اصلاح از میر سوز گرفتہ از ہمہ تیراندازان آن دیار گوے سبقت ربودہ و امور دیگر نیز مثل شمشیر شناسی و ادب شناسی و قدردانی انسان از صحبت میر مسطور حاصل نمودہ غرضکہ از مغتنمات روزگار است سلامت باشد از وست

خلقت تمام گردش افلاک سے بنی — ماٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی
مجھ ساتھ تری دوستی جب ہو گئی آخر — دنیا کی مرے دل سے طلب ہو گئی آخر
حاصل تو ہوا وصل ہمیں رات پر افسوس — اک پل میں شب عیش و طرب ہو گئی آخر

حروف الزاء

مغل بیگ زار تخلص، جوانے ہست از سلکِ متوسطین، معلوم نیست کہ کجاست از یاران میر تقی میر ہست۔ سلامت باشد از وست ؎

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اس کی	کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زار ہوگا

دیگر میر مظہر علی زار تخلص، از متاخرین ست، نقاوۂ دودمانِ سیادت و نوبادۂ بوستانِ شرافت پاکیزہ سرشت و نیک شعار، جوانے ہست بعلم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ کلامش عاشقانہ و فکرش دردمندانہ، استفادہ سخن از شاہ حفیظ اللہ صاحب کہ در دیارِ لکھنؤ عالم و فاضل و مثنوی داں مشہور اند حاصل نمودہ اصلش از شاہجہان آباد است الحال در فیض آباد و در رفاقت نواب مرزا علی خاں بہادر بسر می برد گاہ گاہے فکر می نماید لیکن بسیار بطرز میگوید خدا ایش سلامت دارد ؎

چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو نکلے دم کہیں
ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو
تیری ہی قسم تجھ بن گر کچھ بھی خوش آتا ہو
دل کو اس کوچے میں کھو بیٹھے ہیں ہم
سر ہویا جاؤ اب در پہ ترے
نیند تیرے ہوتے آوے ہے محال
اپنے تئیں اس بزم سے کیا کام ہے
جس طرح فرما گئے تھے یار تم
کرنی جو کبھی مجھ سے گفتار سو یہ تحفہ
گزری ہی تڑپتے یاں بھاویں ہی نہیں سکے

خاک ہے یہ زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں
شبِ فرقت تو آئی نہ دکھانا ہم کو
کافر ہو اگر اس میں کوئی بات بناتا ہو
اس لئے مغموم ہو بیٹھے ہیں ہم
جو کچھ ہونی ہو سو ہو بیٹھے ہیں ہم
یار تو چاہے تو سوا بیٹھے ہیں ہم
جب تلک تم بیٹھے ہو تم بیٹھے ہیں ہم
اس طرح سے دیکھ لو بیٹھے ہیں ہم
سب تیرے لئے دشمن تو یار سو یہ تحفہ
دل کی تو یہ حالت ہی دلدار سو یہ تحفہ

کہتا تھا کل آؤنگا سو آج تک آتا ہے
مدت ہیں کیا اس نے اقرار سو یہ تحفہ

اب زار یہاں بھی تو چھٹ خار نہ کچھ دیکھا
صحرا ہی کو روتے تھے گلزار سو یہ تحفہ

لگا کہنے کہ کہہ احوالِ فرقت مختصر کرکے
دکھایا آنسووں سے خون کے ہیں دامان کو بھر کے

ہیں تو فرش سے اور تکیۂ مخمل سے بہتر ہے
گلی ہیں اس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر کے

کیا ہونی ہے اے زار کہ تو خانہ نشیں ہے
اور اس کو تو جوں برق کہیں چین نہیں ہے

کیا تجکو خوش آیا ہے یہ اے چرخ ستمگار
عاشق کہیں بیتاب ہے معشوق کہیں ہے

کیا تجھسے زار اب کہہ درد دکھ کٹھن ہے
جو تو ہے اور رونا اور یہ اجاڑ بن ہے

لیجاؤگے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے
آرام جو یہاں ہے نہوگا وہاں مجھے

فصل بہار تجکو مبارک ہو عندلیب
بن یار ایک سی ہے بہار و خزاں مجھے

رہتی نہیں ہے ذکر کئے بن تو یار کا
رسوا کریگی زار یہ تیری زباں مجھے

حروف السین

پارۂ از احوال متقدمین

سراج، تخلص از مردم اورنگ آباد در وقتِ عالمگیر اول بود از شاگردان سید حمزہ علی دکھنی روشن طبع معلوم می شود خدا ایش بیامرزد از وست

اُس بن مجھ آنسووں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ہے ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے تیرے سامنے جاتا
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل

مدت سے گم ہوا دلِ بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا لگا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

وہ[1] ظالم مجکو جلتا دیکھکر اتنا نہیں کہتا
کہ کیا ثابت قدم ہی کیو[2] تہو آخر سراج اپنا

۱؎ وہ
۲؎ کیوں اصل نسخہ میں بلا نون لکھا ہوا ہے

سالک تخلص دکھنی ہست چند اشعار او در تذکرۂ میر تقی دیدہ شد چوں ربط بیک دیگر نداشتند نقلم نیاورد۔

سعدی دکھنی، بعضے ایں را سعدی شیرازی قرار دادہ اند و بعضے سعدی دیگر یعنی دکھنی واللہ اعلم

ہمنا تمنکو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دونین کے کھپر کروں ور روکے انجھواں دل بھروں پیش سگ کوئے دھروں پیا سا نجاوے بیت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

چوں زبانِ فارسی دریں شامل ست اغلب کہ سعدی شیرازی ست۔

از احوال متوسطین

میر ناصر با وجود بے سر و سامانی سامان تخلص داشت متوطن جونپور اوائل سلطنت محمد شاہ بادشاہ در شاہجہاں آباد آمدہ بخدمت خان آرزو استفادہ حاصل نمودہ۔ از وست ؎

اُٹھیں کیونکر نہ اس دل سے بھبھوکے کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے
رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ گویا رشتے ہیں ہیں اک شمع رو کے

میاں سلیمان معشوق عبد الحی تاباں ہست، چوں آں ماہِ تاباں در پردۂ ابر فنا پنہاں گردید ایں عزیز با او الفتے کہ داشت مانندِ گل گریباں چاک کردہ گریاں گریاں از گوشۂ دنیا عزلت گزیدہ چندے بر تالاب فرید آباد با دلِ پُر غم و چشمِ پُر نم درویشانہ بسر بُرد بعدہ بطرف الہ آباد رفت تا حال بلباس فقیری بسر می برد خدا ایش سلامت دارد از وست ؎

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طرازی دل کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بلبے جگر داری دل

میاں نجم الدین المتخلص بہ سلام خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام در عہدِ فردوس آرام گاہ بود بکمال خلق و اخلاق بسر برد خدایش بیامرزد از وست ؎

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ　　درازی رات کی بیمار سے پوچھ

میر سعادت علی، سعادت تخلص از سادات امروہہ مرد سلیم الطبع کم سخن بود فی الجملہ چاشنی درویشی نیز داشت از مریدانِ شاہ ولایت میل ایہام بندی بسیار داشت یک تنوی در عشق لیلی و مجنوں کہ دو عاشق و معشوق گزشتہ اند گفتہ و نام او نیز بجائے لیلی مجنوں سیلی سجنوں گزاشتہ، اکثر مناقب او نیز مشہور ہست چنانچہ سواری ہوئی امیر المومنین کی از دست خدا لیش بیا مرز د این چند بیت از انست

بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست　　ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی انکھیں سے پرست

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں　　یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

مت دکھا اس طرح کی آن مجھے　　جینے دے کوئی دم تو جان مجھے

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے　　زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

مطلع سر دیوان او ایست

واللہ جو سرِ لوح ترا نام نہوتا　　ہرگز کسی آغاز کا انجام نہوتا

سلالہ دودمان مصطفوی نقاوۂ خاندان مرتضوی موصوف باوصاف حمیدہ مخلوق باخلاق سنجیدہ شہرۂ انفس و آفاق در لطیفہ گویان و ایہام بندان طاق، سیادت و شرافت نہاد نیک نیت و خوش اعتقاد میر محمد سجاد ہم تخلص بہ سجاد خلف الصدق میر محمد عظیم ابن میر محمد اکرم خاں مرحوم سر انشاء نشیانِ پادشاہی مصحح فرامین شاہنشاہی ہمراہی یحییٰ خاں میر منشی وطن آباو اجداد ایشاں بعد آمدن از ولایت آذربائجان اکبر آباد بود و معاشرت ایشاں شاہجہان آباد در ہر امور کہ دخل نمودہ آں را بکمال رسانیدہ علم طب ہم حاصل نمودہ در اکبر آباد بمساکن قدیم استقامت دارند و شوق طلسمات و انشا و خوشنویسی و شعر فہمی را بمراتب اعلیٰ رسانیدہ اند، خدا سلامت دارد از دست

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نہیں　　جوں فیلِ مست آوے ہے ابر سیہ پلا

گر تیرے کل کے آنے نے کھوئے نہیں حواس — سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا
غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل — پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا
تجکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے — اور بھی کچھ قاتلوں کی دوستی نے پھل دیا
بتاں تو چاہتے ہے سجاد تجھ کوں — کریں کیا پر خدا نے جو نہ چاہا
بتوں کی بھی یہ چاہ دو روزہ ہے — ہمیشہ رہے نام اللہ کا
جان و دل سب قبول ہے جانا — پر گلی میں تری سے مجھے آنا
میں نے جانا تھا قلمبند کریگا وہ حرف — شوق کے لکھنے کا سجاد تنے دفتر کھولا
تیری شمشیر سے جدا ہو کر — سر مرا مجکو تن نہیں دیتا
سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح — غصہ ہوا ہو یار میں کچھ اندنوں غضب
اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر — جنگل میں آبسا ہے نکل کر تمام شہر
ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ — لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دہر دہر
تجھے غیر سے صحبت اب آ بنی — ایسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

لفظ ایسے دوستی زبان قدیم ست یعنی برائے ہیں

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک — مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر
گلی میں تری بیٹھتے ہیں سجن — ان آنکھوں ستے آتے ہیں آنسو نکل
جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں — سب مزے درکنار ہوتے ہیں
ناخدائی تک ایک کر ساقی — ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
اب تو ہم نے کیا گریباں چاک — تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں
کس طرح کوہ کن یہ گزرینگی — ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
دیکھوں طبیب درپئے دارو ہیں کب تئیں — مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں
تو روز وصل میں نے بیٹھے پاس کن کن کو — یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں کیا اسی دن کو

لبِ شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں | زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں
یار کا جامہ ہمیں ہیگا عزیز | یوسف اپنا پیرہن نہ کر رکھے
ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے | یہ تماشے کا دل کھلوتا ہے
بختوں بازی کہیں سجن ملجائے | لیکن ایسے کہاں نصیب مرے
جب تک نہیں پہنچتے ترے آستاں تلک | تب تک ہمارے خاک کی مٹی خراب ہے
کچھ یہ سجاد ہی کے دل کی عجب حالت ہے | ورنہ اس درد کے میں دیکھے ہیں بیمار کئی
باہر و بن یہ شمع مجلس بیں | جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے
ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اسے | خواہ زلفیں خواہ مژگاں خواہ ابرو خواہ چشم
مرے دیکھکر حال داماں کا | پھٹے کیوں نہ سینا گریبان کا
کیوں مشتِ گل بھی دل کے نہ رونے میں بہ گئی | سجاد مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گلا
تیری ان کالی کالی زلفوں پر | کیا گھٹا کی طرح برستی ہے
کیسے جنگل اُجاڑ کو دیکھیں | یہ ہی "سجاد" دل میں بستی ہے
سُرخیِ لب ہر آن میں کچھ ہے | یوں کچھ اور رنگ پان میں کچھ ہے
اس زمانے کی دوستی کا رنگ | آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر | آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر

مرزا محمد رفیع المتخلص بہ سودا، اوستاد اوستادانِ کامل وقادر سر آمد شعرائے زماں در میدانِ نزاکتِ بیاں فکرش چوں مہر گرم تازست، و در عرصۂ لطافت وقدرت ومتانت سخن باذوئے فطرت او چوں تیر راست اندازست؛ فلک از علو رتبۂ فکرش انگشتِ ہلال بدندانِ پروین گرفتہ وخورشید از سموِ منزلت خاکِ قدم طبعش را بجائے سرمہ در چشم مژگاں رفتہ، اُستاد شعرائے عصر ومقتدائے بلغائے دہر، میدانِ بیانِ او وسیع وطرز معانی او بدیع سپاہ دانش شاہ و بر آسمان بینش ماہ، در قصیدہ و

ہجویہ بصفا دارد، قصائد عذب و دلاویز و بیان ہجو بلند نظمش طرب انگیز، مردیست از
از مغتنمات روزگار، خوش خلق و نیک خو و یار باش، مولدش شاہجہان آباد،
سن شریفش بہ ہفتاد رسیدہ باشد، نوکری پیشہ، الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر
بوسیلۂ فن شاعری سرافراز ست، در علم موسیقی نیز ماہر است و تصانیف بسیار در تفہیم
دارد۔ تا حال مثل او در ہندوستان جنت نشان کسے بر نخاستہ، اکثر فقیر در خدمت آں
بزرگوار میرسد بسیار کرم میفرماید۔ اگرچہ بندہ را چہ یاراست کہ انتخاب دیوان او نماید
دریا را بکوزہ نمیتواں کرد۔ ازبسکہ اشتہار دارد محتاج نوشتن کسے نیست۔ حق تعالے
بسیار سلامت با کرامت دارد کہ زندگی سخن وابستہ ذات اوست دام افضالہ۔ از وست

مقدور نہیں اُس کی تجلی کے بیاں کا — جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
اس ہستیٔ گلشن میں عجب دید ہے لیکن — جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا — گویا یہ ہے چراغ غریبوں کے گور کا
بزم بتاں میں جب دم وہ رشکِ مہ گیا تھا — آپس میں ہر پری رو منہ دیکھ رہ گیا تھا
کسی دیندار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا — سحر کیا ہو چکی سودا کی سر پر شام کیا ہوگا
قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا — خنجر تلے کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا
سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا — سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا
ٹوٹے اگر نگہ سے تری دل حباب کا — پانی بھی پیجئے تو مزا ہو شراب کا
موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ — دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا
سونپا تھا کیا جنوں نے گریباں کو مرے — لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا
ہیں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا — سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
مانگا جو میں دل کو تو کہا بس یہی اک دل — ایسے تو مرے کوچے میں کتنے ہیں اٹھالا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشقباز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

کس گلی دیکھ کے ہیں اس کو پکارا نہ گیا
مڑ کے ٹک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا

کسی کا دین کیا حق نے کسی کی دنیا
سب کا سب کچھ کیا پر تجھکو ہمارا نہ کیا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پرے رہ برق خارِ آشیاں اپنے سے کہتا ہوں
اڑیگا دھجیاں ہو کر جو یاں دامن ترا اٹکا

موجِ آتش ہے سیل آنکھوں میں
شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا

نہ جیا تیری چشم کا مارا
نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جی مجھ سے نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

سودا سے یوں کہا میں دل اس قدر نہ کھو
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہوتا

تیرے کوچے سے جو میں آپ کو چلتے دیکھا
جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا

سوجھی تدبیر نہ تقدیر کو پھرانے کی
جب تجھے قتل پر عاشق کے مچلتے دیکھا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا

فرصت ہو باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

جی مرا مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ٹل جاؤنگا
ہاتھ سے دل کے ترے اب میں نکل جاؤنگا

قطرۂ اشک ہوں پیارے مرے مژگاں سے
کیوں خفا ہوتے ہو پل مارتے ڈھل جاؤنگا

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہتِ گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا

اس خرابی سے تو مت مجھکو نکال اب گھر سے
تو کہے آج نکل میں کہوں کل جاؤنگا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب

ٹک جاگ لے تو چھوڑ کر غافل پلنگِ خواب
آخر کو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگِ خواب

کیا کیا لڑائیاں تھیں سرک سوتے میں ہم
جاگینگے پھر بھی بخت کہ ہووےگا جنگِ خواب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے بیچ
جوں غنچہ سو زباں ہیں اس کے دہن کے بیچ

کل رخصتِ بہار تھی شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لیکے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نپائے کہ بس تمام

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کسی نے انگڑائیاں لیاں

غیر کے پاس یہ اپنا گمان ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

بہار و باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوائے ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہرِ ناانصاف
ریائے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھسے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں
دو دن کی زندگی میں اب کوئی کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
کس لطف کی امید پہ یہ جور سہوں میں

گر چھپکے کہیں تجکو ذرا دیکھ رہوں میں
ہر ایک مجھے آکے سنا تا ہی کہوں میں

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ پہ ملتا ہے — خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

منڈا کر خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹوں کو بوتے ہو — یہ عارض گل نہ ہووینگے عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

رقیب میں ہوں نہ پیر آسماں یک جان دو قالب — مخاطب تم بلفظ جان ہم دونوں کے ہوتے ہو

جگر ان کا ہے جو تجکو صنم کر یاد کرتے ہیں — میاں ہم تو مسلماں ہیں خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں

کس کس طرح کی دیکھیں اس باغ کی فضائیں — کیدھر گئے دو ساقی وہ ابر وہ ہوائیں

صورت میں تیری کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے — اک وجہ ہے کہ وہ قہر ہے آفت ہے غضب ہے

کہتے ہیں جسے عشق وہ کیا چیز ہے سودا — جوں ذات خدا جس کو حسب ہے نہ نسب ہے

یاں ہر ذرہ ہی چمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ — جلوہ گر نور ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

ق

کہ ہمدم آج چمن میں بلبل جو سودا — بیٹھا اک شعر یہ پڑھتا تھا نپٹ درد کے ساتھ

دل کو چاہا تھا کہ خالی کرے مانند حباب — ہوگئی جان ہوا اک نفس سرد کے ساتھ

کہے ہے مجکو جو زاہد کہ تجکو دیں تو نہیں — بھرا دے تم ہیں مرے منہ سے چل نہیں تو نہیں

اس دل کو دیکھے یوں جہاں یہ کچھ نہ ہو — سودا تو ہو وے تب نہ کہ جب آپ میں تو ہو

قصہ تو حسن و عشق کا چکتا ہے پل کے بیچ — گر محکمے میں قاضی کے تو رو برو نہ ہو

تنزل میں بھی ہم ہرگز ترقی سے نہ کم ہوتے — جو بنتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

ہوا ہو وے نگا کیا کیا مژدہ بر موبد تلطف کا — خبر گن عال بدلنے کے اسلام کا حق ہم ہوتے

خاک پر بھی تیرے دیوانے کے یہ تدبیر ہے — ہر بگولا طوق ہر موج ہوا زنجیر ہے

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں — یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

جن نے پوچھا کہ دل خوش ہی کہیں دنیا ہیں — رو دیا اس نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

(ی)

لہ تئیں

مری آنکھوں میں تو رہتا ہے مجکو کیوں تو لاتا ہے ۔۔۔ سمجھکر دیکھ تو اپنا بھی کوئی گھر ڈبا تا ہے
عیاں ہے شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے ۔۔۔ کہ جب کھولے ہے تو اس کو تو ڈولپٹا ہی جاتا ہے
اب کے بھی دن بہار کے یونہی چلے گئے ۔۔۔ پھر پھر گل آ چکے پہ سجن تم بھلے گئے
پوچھے ہے پھول و پھل کی خبر اب تو عندلیب ۔۔۔ ڈالے جھڑے خزاں ہوئے پھولے پھلے گئے
گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی ۔۔۔ اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
تصویر میں ترے کبھو صبا اس لاابالی سے ۔۔۔ گلے لگ کے میں رویا رات تصویر نہالی سے
ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آجاتا ہوں ۔۔۔ صید خائف کی طرح رو بقفا جاتا ہوں
نہ تلطف نہ مروت نہ محبت نہ وفا ۔۔۔ سادگی دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں
سوچوں ہوں اپنے تئیں جوں سخن رفتہ زباں ۔۔۔ گاہ بے گاہ اگر آپ میں آجاتا ہوں
کیا اثنا مرا پاؤں تلک ڈھلتا ہے ۔۔۔ سر کب کا ترے قدم تلے رُلتا ہے
اے غنچہ دہن پیار سے ٹک ہنسکر بول ۔۔۔ کیا دل ہے مرا تو کہ نہیں کھلتا ہے

میر سوز سلمہ اللہ تعالیٰ شعلۂ عالم سوز و گوہر گیتی افروز محمد میر المتخلص بہ سوز فقیر بے مثال و درویش باکمال، منشی بے نظیر و خوشنویس دل پذیر، شاعر شیریں بیان و سخن سنج زباں داں، مجلس نشین دانشمندی قصر فطانتش در غایت بلندی، گلدستۂ نثرش چوں گلشن حسن دلبران تازہ و گلہائے نظمش در کثرت چوں سپاہ غم بے اندازہ، فضائلش چوں حسن خوبان عالمگیر و خصائلش چوں خمیازۂ نازِ محبوبانِ دلپذیر، منجر قلم و شیریں رقم رشحات مداد قلمش از دریائے اعجاز گلکِ عنبر بارش از بوستان اعجاز رسالۂ در علوم تیراندازی بر سبیل تذکرہ چوں تیر در درستی بکمال قوت در میدان سخن انداختہ و خود چوں کمان از بدرنگی آفاق بگوشہ نشینی ساختہ در عہد خود از جملہ ادا بندان ممتاز؛ طرز ادا بیہ ملک اوست و خواندن اشعارش از زبان او نیکوست، از خواندنش چناں خوب بنماید کہ در گفتن نمی آید، مرد لیست متواضع و متوکل قابل دوست و جوہر شناس، این سید

ضیاء الدین بخاری از اولاد قطب عالم گجراتی، بر فقیر بسیار کرم می فرماید و از کلام بندہ محظوظ ست حق تعالی بسیار سلامت باکرامت دارد۔ سوز دام افضالہ

میں کس کے ہاتھ لکھ بھیجوں میاں صاحب سلام اپنا
مجھے تو بھول جاتا ہے ترے ڈھرکے سے نام اپنا

دل کے ہاتھوں نپٹ خراب ہوا
جل گیا بھن گیا کباب ہوا

جن کو نت دیکھتے تھے اب اُن کا
دیکھنا ہیں خیال و خواب ہوا

یاریوں دُور جا بسے اللہ
کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سوز کچھ منہ بنائے آتا ہے
آج مجرے کا پھر جواب ہوا

کسی نے روم کی قسمت میں کوئی شام لے آیا
ہمیں کچھ لے نہ آیا ایک تیرا نام لے آیا

صدا ہی در پہ کچھ پیغامبر کی سی خدا جانے
نوید وصل ہے یا ہجر کا پیغام لے آیا

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

کعبے ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا
تڑپھنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

وہ میرے نام سے بیزار ہے ملنے کے کیا معنی
نہ صاحب وصل کا پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا

کہاں میں اور کہاں اندیشۂ بوس و کنار اس کا
نہ بھائی یہ خیال خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

غم تو کہتا ہے کہ میں تجکو ستا جاؤں گا
پر مری جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا

مجھ سے مت جی کو لگاؤ کہ نہیں رہنے کا
میں مسافر ہوں کوئی دن کو چلا جاؤں گا

سر اوپر شام آئی اب تلک منزل نہیں پاتا
کہاں بستر بچھاؤں میں کسی کا دل نہیں پاتا

دور سے دیکھتے ہی سوز کی شکل
کیسا بھاگا ہے وہ شتاب شتاب

ایک بوسہ تو مجکو دو صاحب
سنتے ہی منہ پھرا یا لو صاحب

مانگتے ہیں ہم اپنے یار کی خیر
آئینے کچھ تو دے بہار کی خیر

ابر کہتا ہے بار بار مجھے
بھیجیو چشم اشکبار کی خیر

کم نہیں ہوتا غبارِ خاطرِ جاناں ہنوز
خاک سے میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

غم سے تیرے ہوا یہ سوز و گداز
پر نہ آیا تو اپنی ضد سے باز

یوں کھپ رہا ہے گل کے کلیجے میں خار حیف
جلتی ہے عندلیب تو اب تک ہزار حیف

صورت کو دیکھتے ہی گئے ہاتھ پاؤں پھول
گھبرا دیا نہ لے دل ناکردہ کار حیف

دیکھا تو کچھ نہ آ کے جہانِ خراب میں
کیوں زندگی خلل ہی کیا تونے خواب میں

پیری میں غیر گریہ بھلا اور کیا ہے سوز
دریا کی سیر ہے تو شبِ ماہتاب میں

نالِ نئے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

اس فرشتہ شکل پر کھونا ہے کتنا مہر سوز
بے پر و بالی میں جس کی عرش تک پرواز ہے

امیدِ وصل جز طمعِ خام کچھ نہیں
ہر صبح ہے قسم یہ قسم شام کچھ نہیں

بلبل کہیں پتنگ کہیں اور ہم کہیں
اکٹھے یہ دل جلے نہوئے ایکدم کہیں

گو آہِ متصل یوں ہی آتی رہیگی سوز
اندیشہ ہے مجھے نہ نکل جائے دم کہیں

بیٹھ جا اے سوز دو دو قطرے لیں ایکجا
خانۂ خمار بھیجا ہے ابھی دستار کو

سوز گردش سے غمِ گردوں کی مت دلتنگ ہو
جوش کھا کھا دل میں آپ ہی بادۂ گلرنگ ہو

کس طرح روتے ہوئے دیدۂ تر دیکھیں تو
کس طرح بہتے ہوئے لختِ جگر دیکھیں تو

خوش تو ہوتا ہے کلا دیکھ کے نٹ کی عالم
ہوش اڑ جائیں کلا تیری اگر دیکھیں تو

نوکِ مژگاں پہ تو آ جاؤ جھمک کر پیارے
لختِ دل آج تمہارا بھی ہنر دیکھیں تو

یوں تو نکلی نہ مرے دل کی اُپایا ہے گاہے
اے فلک بہرِ خدا رخصتِ آہ ہے گاہے

ق

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہے گاہے

دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
یوں اشارت سے جتایا سر راہے گاہے

اس تنگ وقت میں تو نہ تاخیر شرط ہے
ہے صیدِ نیم جاں اسے تکبیر شرط ہے

جس گلشنِ جہاں میں کہ صیاد کا ہو خوف
رہنا برنگِ بلبلِ تصویر شرط ہے

ہاں مثلِ گل شگفتہ نہ ہو غنچہ ساں خموش
ماتم سرا ہیں صورتِ دل گیر شرط ہے

یوں پوچھنا کہ سچ ہے فلانے کو عشق ہے
صدقے ہیں جاں بوجھ بھلانے کو عشق ہے

دل خانۂ خدا ہے خدا لا شریک ہے
پر اس میں سوز تیرے سمانے کو عشق ہے

اشکِ خوں آنکھوں میں آ کر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

پاس آ کر دیکھنا تیرا بڑا ارمان ہے
مجکو مشکل ہے لیکن تجکو سب آسان ہے

اے نکہتِ گل جائیو محفل میں کسی کے
ٹک دل کو مرے ڈھونڈیو تو دل میں کسی کے

بیمار کی آ اپنے شتابی خبر لے
اس رات خدائی ہو جو ظالم وہ سحر لے

جوں خضر ہوس عمرِ ابد کی نہیں مجکو
اس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس گزر لے

پیتا ہوں یادِ دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یادِ دوست مجکو ہے پینا حرام جام

تھے وقتِ نزع منتظرِ کلمہ سوز سے
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

اندوہ سے تیرے مر گئے ہم
رووں کیوں کر نہ گھر گئے ہم

کاہے کو تو گھورتا ہے ظالم
کچھ لیکے ترا مکر گئے ہم

بس بس آنکھیں نکال مت واہ
اپنے غصے سے ڈر گئے ہم

زباں سے ہو سکے کب دلربا تیری ثنا کہنا
مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ وا کہنا

پرکار کی روش پھرے ہم جتنے چل سکے
اس گردشِ فلک سے نہ باہر نکل سکے

رونا بھی تھم گیا ترے غصے کے خوف سے
تھی چشم ڈبڈبائی پر آنسو نہ ڈھل سکے

دل کی قدر و منزلت یاں کچھ نہیں
لاؤ بالی یار کی سرکار ہے

ہم نے کون و مکان دیکھ لیا
پل میں سارا جہان دیکھ لیا

نیستی کے لئے ہی ہستی ہے
ہاں مرے مہربان دیکھ لیا

اشک کب ہوں تیرے ستانے کے خشک
کوچے کب ہوتے ہیں بسانے کے خشک

چوری چوری تیرے منہ شاید لگا
ہونٹھ تو ہی ہینگے ہنسانے کے خشک

زلف کے پیچوں میں کیسا جا کر دھسی — یا الٰہی ہاتھ ہوں شانے کے خشک
اب کے دل میں ہے کہ گو ہر روئیے — ہوں سراسر آب دکھلانے کے خشک
کہوں اک بات میں تجھ سے اگر جی کی اماں پاؤں — تجھے قربان ہونے دے ترے قربان ہو جاؤں

رباعی

جو میرے عدو تھے اُن سے تو یار رہا — مجھ سے لڑنے کو اب تو تیار رہا
رہ رہ کے مرے دل میں یہی آتا ہے — اللہ تو مجھ سے ایسا بیزار ہوا

اکثر اشعار میر سوز و مرزا رفیع سودا و درد دیوان مہربان خاں یافتہ میشود از ین جہت اشعار او را قلمی نکردم انچہ دو سہ نوشتم بر ہمان اکتفا کردم

سلک متاخرین

میر یادگار علی **سید** تخلص شخصے است از سادات بہادر پور کہ مشہور ضلع میوات ست طبع موزوں وارد دوراں دیار عزیز بہر کسے ست سلامت باشد از وست

خدا کے واسطے صیاد تو کر اب تو دام اپنا — کہ گلشن سے لیا ہے تو نے خاطر خواہ کام اپنا
شورشیں باقی ہیں دل میں تیرا آتی ہے بہار — دیکھئے کیا کیا تنگو نے اب کے لاتی ہے بہار
کیا اب امید کریں وصل کی ڈرتے ڈرتے — عمر تو کٹ گئی دکھ ہجر کے بھرتے بھرتے

میر سلیم المتخلص بہ **سلیم** مرد لیست سلیم الطبع از ساکنان عظیم آباد بتجارت پیشہ خوش اندیشہ بندہ ویرا ندیدہ بزبانی دیگران شنیدہ کہ گاہ گاہے فکر غزل می نماید و الفاظ را درست می نشاند سلامت باشد از وست

پڑھائے عشق نے جب ہم کو نکتے علم مستی کے — پریشان ہو گئے اوراق سب دیوان ہستی کے
ہوئی معلوم یوں یہ خون دل کے جوشش سے مجکو — کہ زخم تازہ پہنچے گا کسی بے ہوشش سے مجکو
شراب بیخودی سے کیا مجھی تھی تیغ قاتل کی — کہ زخم اس کا لئے جاتا ہے ہر دم ہوش سے مجکو

سلیم اس بیکسی سے ہائے زیرِ خاک جاتا ہوں کہ رو دینگے لگا منکر نکیر آغوش سے مجھکو

از امرایانِ جہان نواب احمد علی خاں ولد افتخار الدولہ بہادر مرزا علی خان دام اقبالہ بخطاب شوکت جنگ المتخلص بہ سوزان جوانے ست در سخن سنجی یگانہ و در فہم و فراست ارسطوے زمانہ در وقتیکہ میر ضیا سلمہ اللہ ہمراہ آن نیکو خصال بود گاہ گاہے اشہب فکر را در میدانِ غزل جولاں می نمود الحال مدتے ست کہ راغب باین طرف نیست حق تعالیٰ آں سرو موزوں را در گلستان جہاں سرسبز داراد ؎

زبس کہ ذکر ترا گرم شب بیاں میں رہا طپش جگر میں رہی اضطراب جاں میں رہا
اگرچہ کعبے ہی پہنچے تو کیا ہوا اے شیخ بتاں تو دل میں رہے اور دل بتاں میں رہا
قید میں یوسف کو بھیجا واہ یونہی چاہیئے خوب کی تونے زلیخا چاہ یونہی چاہیئے
مت دل لگا بتوں سے کہنے پہ جا کسی کے ہرگز ہوئے نہ ہونگے یہ آشنا کسی کے
خوبی ہے کیا ستمگر اس ہفتہ دوستی میں اپنا کسی کو کیجے ہو رہیئے یا کسی کے

رباعی

جانے سے نہ پوچھ اس کے کیسی گزری دشمن پہ نہ گزرے ہمیہ جیسی گزری
جوں مرگ کا وقت گزرے موتا پر ہائے یہ زیست ہماری ساری ایسی گزری

میاں سکندر عرف گھسیا از مرثیہ گویانِ متاخرین ست اکثر در زبان پوربی و پنجابی و مارواری مرثیہ گفتہ و بسیار مربوط گفتہ و در قصہ خوانی و عرق کشتی نیز ماہر ست۔ یک قصہ ملاح و ماہی و بادشاہ دل خواہ بسیار آب و تاب نظم نمودہ ست اگرچہ علم ندارد و لیکن بر کلام او جائے انگشت نیست چوں با ہمہ مردم خوش طبعی دارد و شراب مینخورد و در نظر بعضے ہا سبک مینماید غرض مرد زندہ دلے ست گاہ گاہ بطرز قدیم شعر میگوید۔ طبعش مائل ایہام بسیار است سلامت باشد از وست ؎

جو دھو کر داغ دل سب پاک کیجے ۔۔۔ تو جاری دیدۂ نمناک کیجے
جلا جو آتشِ غم سے سراپا ۔۔۔ علاج اُس کا پھر اب کیا خاک کیجے

حرف الشین

احوال متقدمین شعور دکھنی شعور تخلص، ازیں شعر شعور او ظاہر ست

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب ۔۔۔ روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

شاہ قلی خاں **شاہی** تخلص از ساکنانِ بھاگ نگر بود مدتے بتوسل نوکری بادشاہی در بلدۂ حیدرآباد بسر می برد آخر بمنصب ندیمی **تاناشاہ** معزز گردید بیشتر مرثیہ میگفت در ولایت ہندوستان دست بدست می آوردند غفر اللہ لہ

ملنا تمہنکا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ کہے ۔۔۔ کس کس کا مونہہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

احوال متوسطین محمد شاکر **شاکر** تخلص از یاران محمد علی حشمت در علم نجوم ماہر بود طبع موزوں نیز داشت فکرش خالی از درد نیست **ازوست**

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا ۔۔۔ جو اُن پہ گزرنی ہے گزر لے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے ۔۔۔ گل توڑکے تو تو گود بھر لے

حکیم یار علی **شفا** تخلص درہماں زماں بود گاہ گاہ دو سہ ریختہ نیز میگفت در طبابت دست تمام داشت خدا بیش بیامرزد **ازوست**

جوں ڈانک کے دیئے سے دونا کھلے ہے یاقوت ۔۔۔ چمکا ہے رنگ پاں سے جوہر ترے لبوں کا

شاغل تخلص در عہد محمد شاہ بادشاہ بود شاگرد میاں لسبحل کہ سابق بریں گزشت بیتے و مصرعے موزوں میکرد خدایش بیامرزد **ازوست**

جاتی نہیں ہے اس سے تری فکرِ زلف و رخ ۔۔۔ شاغل کو روز و شب ہے ترا ذکرِ زلف و رخ

شاعر پُر شوق میاں حسن علی المتخلص بہ **شوق** مرد سپاہی پیشہ صاحب دیوان از

شاگردان سراج الدین علی خان آرزو مدتے در سرکار نواب عماد الملک غازی الدین خان بوسیلۂ سپہگری بسر بردہ الحال معلوم نیست کہ کجاست شعرش بسیار بانداز است و مشتاق نیز از کلامش ہویداست اکثر این غزل اورا نغمہ سرایان ہند در ہر دیار میخوانند مشہور است سلامت باشد

ہے غرض اپنی ہمیں یار کے ملجانے سے — اور کچھ کام نہیں کعبہ و بت خانے سے
میں ہوں میخوار و خرابات نشین بادہ پرست — جی ہے محظوظ مرا گردش پیمانے سے
مدت سے یہ بحث درمیاں ہے — پر علم نہیں کمر کہاں ہے
اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آویگا — تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ہی جاویگا
میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں — لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں — تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
آچکا خط بھی یہ تیرا انت نیا اک ناز ہے — ہو چکی آخر بہار اور اب نہیں آغاز ہے
بجھیگی آتش دل ہم نے جانا تھا بہار آئی — ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی
کیا کیا ستم نہ تھے کہ کئے چشم یار نے — جو سختیاں تھیں مجکو زمانا دکھا چکا
آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا — جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا
تیری جفا اٹھاوے یا جور آسماں کا — انصاف کر تو ایسا پتھر ہے دل کہاں کا
خط مرا پڑھکے یہ جواب دیا — نامۂ شوق کا جواب نہیں
تو نے چمن میں اس کو آنکھیں دکھائیاں ہیں — نرگس نے تجھسے تو ہی آنکھیں چرائیاں ہیں
گر عاشقی کرو تو معلوم ہو حقیقت — اے ناصحو تمھیں تو باتیں بن آئیاں ہیں
سنتے ہی نہیں یہ بت گمراہ کسی کی — ان ساتھ کٹے کس طرح اسد کسی کی

رباعی

اس دور میں بد تماشا اکثر دیکھے — تھے وہ جو غلام تاج بر سر دیکھے

اے گنجفہ باز چرخ ہاتھوں سے ترے — اوراقِ جہاں تمام ابتر دیکھے

احوال متاخرین | میر کلّو سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ **شاعر** از اقربایان و خویشان خواجہ **میر درد** دام افضالہ، جوانے ست بکمال صلاحیت آراستہ و بعلم و عمل پیراستہ اہل دل، منصف، متواضع، مودب، بزرگ و بزرگ زادہ، فکرِ عالیش رسا و سخن متوالیش خوشنما، دیوان ریختہ مرتب کردہ و بیشتر رباعیات بطور **میر سوز** عمداً گفتہ ہمراہِ میاں الم در فیض آباد آمدہ بود بندہ با وے ملاقی شدہ است، خدایش سلامت دارد ؎

ہمیں یا رب خبر اصلا نہیں ہے — کہ پیدایش میں دل ہی یا نہیں ہے
تجھے جب سے صنم دیکھا کہے کیا — خدا پر علم ہے بندا نہیں ہے
تری زلف آن اُلجھی ہے۔ مرا دل — کسی سے آج تک اُلجھا نہیں ہے

تیغ نگہ لگا ٹک اور زخم دلِ فگار پر — آہ نہیں یہ واہ ہے تیرے ہر ایک وار پر
ہمارا دل لئے جاتا ہی وہ خونخوار کیا کیجے — سوا اے صبر کچھ چارہ نہیں ناچار کیا کیجے
گریباں پھاڑ کر کیدھر نکلجاویں ہم اے وحشت — ہوئی ہے زندگی ناحق گلے کا ہار کیا کیجے
وہ سو جاتا ہے جھوٹھی موٹھ بھی ہرگز نہیں سنتا — حقیقت اپنی ایسے شخص سے اظہار کیا کیجے
مثل مشہور ہے شاعر کہ سوتے کو جگاتے ہیں — جو کوئی جاگتا ہووے اسے بیدار کیا کیجے

ہم دیکھتے ہیں یوں کسے اے یار جہاں میں — ایک تو ہی تو اس بات کے قابل نظر آیا
دیتے تو دیا آہ دل اپنا تجھے، لیکن — جینا بھی پھر اس بن ہمیں مشکل نظر آیا

گر کہا ٹک بھی میرا کیجے گا — پھر جو جی چاہے کہا کیجے گا
عوضِ لاکھ جفا ہے یہ ہمیں — ایک گر وعدہ وفا کیجے گا
ٹک بھی گر چین جبیں کیجے گا — پھر نہیں ہم یہ یقیں کیجے گا
اپنے مطلب کی کہے جائینگے ہم — گرچہ سو بار نہیں کیجے گا

تکرار ہو جو ظلم و ستم کی تو کیا مزا — ظالم تبھی ہے لطف کہ ہر دم نئی رہے

میر فتح علی المتخلص بہ شیدا از ساکنان مئو شمس آباد ست پسر خواندۂ میر سوز جوانے بکمال اخلاق متواضع، مؤدب، از شاگردان مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ تعالیٰ، سپاہی پیشہ است بندہ اور ایک مرتبہ ہمراہ میاں آفریں دیدہ است طبعش بلند افتادہ از کلامش بوئے دردمندی ظاہر است ؎

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں — اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
آئے تھے کیوں عدم سے کیا کر چلے جہاں میں — یہ مرگ و زیست دو نو آپس میں ہنستیاں ہیں

لالہ خوشوقت رائے، تمنا واب تخلص، مولد او چاندپور ندینہ ست، منشی است نثر خوب می نویسد، در ہمچشمان خود باعزاز و اکرام بسر می برد، خدایش زندہ دارد ؎

دیکھ اُس کے منہ پہ زلفِ سیہ فام کے تئیں — کیا زیب دی ہے کفر نے اسلام کے تئیں

واقعی ایں کافر مضمونے خوب یافتہ است کہ کفر از و می بارد ولہ ؎

یں ہو چکی شفا تو دلِ زار کے تئیں — اے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا — تیرے ہوتے بھی کھینچے ہی کوئی تلوار کو

میر محمدی شرف تخلص، برادرزادۂ نواب خان دوران مرحوم، بندہ ندیدہ لیکن اکثر از زبان یاران شنیدہ کہ طبع خوبے دارد و با بزرگ ست مشتبیر بطور ناصر علی و مرزا جلال اسیر ریختہ میگوید حالا در شاہجہان آباد است ؎

عکس ہے کس مہ جبیں کا دلنشینِ آئینہ — ہمنگِ کبک دری ہے سرزمینِ آئینہ
صاف دل کا مرتبہ ہی عرش و کرسی سے بلند — جلوہ گر ہے آسماں زیرِ زمینِ آئینہ

میر محمد شفیع سلمہ اللہ شخصے است مجمعِ اخلاق و منبعِ اشفاق، عاشق ریختہ گویاں و در جمع نمودن اشعار توسن طبعش پویاں، با میر و مرزا و میان قائم یکجا صحبت داشتہ الحال بہ لکھنؤ در عالم تجرید بسر می برد و اقبو نی ست گاہے یک دو سہ بیتے خود ہم میگوید خدایش سلامت دارد از وست ؎

رات کیا ہوگیا تھا تجکو شفیع | جب کھلی آنکھ ہے روتے دیکھا
غیر سے ملنے کو کریں گو نہ منع | دل میں تمھارے تو حیا چاہیئے
یار کا پابوس نہیں دور کچھ | اپنے تئیں خاک ہوا چاہیئے

حرف الصاد

احوال متقدمین | صبائی تخلص احمد آبادی ست از وست

زرسے ہی آشنائی زر سے ملے ہی یہاں | زر نہیں تو ہی جدائی دنیا میں جو ہی زر کہ

سلک متوسطین | صفدری تخلص شخصے گزشتہ است از وست

سبز جاما پر میں پی کے رنگ بھینا دیکھیو | شمع کافوری پہ یہ فانوس مینا دیکھیو

نور حدیقہ محمدی وگل بوستان جعفری سلالۂ دودمان مرتضوی ومصطفوی میر جعفر خان ابن میر محمد خان ولد میر سید محمد قادری نور اللہ مرقدہ صادق تخلص، جوانے بود بکمال خوبی وفصاحت وبلاغت وصلاح وتقوی۔ درفن شاعری مستعد وطالب علم جید طبعش بغایت متین ونظمش نہایت مبین بہارستان جعفری کتابے از تصنیفات اوست اصلش از شاہجہان آباد ست، بر نالۂ بیرم دی درگاہ جداوست میر سید محمد، او نجا محلس دم دم ہر ماہ می شد، مردم بسیار می آمدند وقوالان میخواندند وصوفیان بوجد می آمدند۔ از چندے شنیدہ میشود کہ بہ رحمت الٰہی واصل گشتہ ہماں جا مدفون است غفر اللہ لہ از وست

فصل کے شور نے عاقل سبھی دیوانے کیئے | شیخ بھی جا بیٹھے ہے آج تو رندانہ پیئے
یوں ہیں پیں غیر شراب اور مثال نرگس | ہم رہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پیمانہ لیئے
لوح پر زلف کے مارے کے لکھا دیکھا تھا | موئے بھی لہر نہ کیئے اسے ترا کاٹا نہ جیئے
دل ہے یہ یا کباب سیخ ہے کوئی | عاشقی بھی عذاب ہے کوئی

شرم سے نام تو نہیں لیتا — پر ہمارا خطاب ہے کوئی
مجکو قدرت بھی خدا کی نظر آتی ہے بڑی — تیری سہتے ہیں وہ باتیں کہ کسی کی نہ سہیں
ہم اگر جیتے رہے بھی تو بھلا کیا حاصل — دیکھتے ہیں کہ تری ہم سے وہ آنکھیں نہ رہیں

صابر تخلص کسے گزشتہ ہست از سلک متوسطین، سرسری میگوید کلامش بہ پختگی نرسیدہ است از وست ؎

نازاس طرح کیا کہ ادا کو نہوئی خبر — جور اس طرح کیا کہ جفا کو نہوئی خبر
صابر نے اپنے یار کے پاؤں پہ سر کو دھر — جی اس طرح دیا کہ قضا کو نہوئی خبر
سارے عالم میں جو بڑا تھا شوخ — میری قسمت میں وہ دھرا تھا شوخ

میر محمد علی صبر تخلص، از سلک متاخرین ست، بیشتر مرثیہ میگوید، از متوسلان بنی خانم صاحبہ۔ باوجودیکہ او ہم در فیض آباد میباشد لیکن بندہ اورا ندیدہ و نہ اشعارش شنیدہ مگر مرثیہ، خدااش سلامت دارد ؎

گو کہ دلبر نے مجھ پہ جبر کیا — میں بھی دل دیکے اس کو صبر کیا
غم ہجر صنم میں رات دل کی بیقراری سے — نہ تھی فرصت مجھے وقت سحر تک آہ وزاری سے
فروتن تجھ سا کوئی اے صبر دنیا میں نہوویگا — زمیں میں گڑ گیا آخر تو اپنی خاکساری سے

حرف الضاد

درین فصل کسے از قدما بنظر نیامدہ مگر درسلک متوسطین۔ نیر آسمان سیادت و گوہر بحر شرافت ذکاے وے بکمال ضیا و بہائے او در نہایت بہا المتخلص بہ ضیا بدریست از سپہر کمال و صدر بیست از مجلس جلال شمعیست پرضیا و عاشقے ست باصفا طبع عالیش بلند و دل و جانش گداز و دردمند طرزش مانا بطرز مولانا نسبتی غضکہ

شعر پر دردش بر جگر عاشقاں نشتر زا لیست و برائے سوختگان عشق شرر لیست، اکثر در غزل زمین سنگلاخ گفتن و الفاظ نا مقبول را در بندش مقبولِ دلہا ساختن کارِ اوست۔ اصلش از شاہجہان آباد، از چندے بطرفِ عظیم آباد استقامت دارند۔ پسر راجہ شتاب رائے بطریق قدر کم و بیش خبرگیراں می باشد۔ شنیدہ ام کہ او ہم فکرِ شعر میکند لیکن تا حال نشنیدہ ام، اکثر شاعرانِ آں دیار اصلاحِ سخن از میر موصوف می گیرند۔ بندہ ہم استفادۂ سخن ازاں بزرگوار حاصل نمودہ۔ استادِ فقیر مؤلف کتاب ہمان است غرضکہ ہمچنیں آشنائے درست در آشنائی ندیدہ و نشنیدہ، متواضع، مؤدب، اہل دل، منصف مزاج، دردمند از ہر کہ شعر پر درد شنیدند محظوظ شدند و گریستند، دیوانش ترتیب یافتہ است، قصیدہ ہجو و مثنوی و رباعی کم گفتہ بیشتر غزلیات ازاں مشہور است، خدا سلامت با کرامت دارد

جمع کرکے درد سارے توڑ پیدا دل کیا   کہ تو اے دستِ قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا
کیا مزے سے جی نکلتا جو وہ ٹک پھر دیکھتا   کام آساں مجھ پہ قاتل نے مرے مشکل کیا
باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا   آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا
قیس دیوانہ ہوا اور کوہکن جس سے موا   عشق ہم کو بھی وہی اب کام فرمانے لگا
ایک دن وہ تھا کہ روز و شب رہے تھا پاس ہائے   اب خبر بھی بھیجنے سے ہم کو ترسانے لگا
کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگِ خلق   اُس کے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا
میں نے کل پوچھا ضیا سے دل کو کیدھر کھو دیا   اُس نے کوچے کو ترے بتلا کے ٹک سے رو دیا
دیکھو اے دوستاں چپکا ضیا کیوں ہو گیا   مر گیا بیتاب ہو یا روتے روتے سو گیا
ضیا ہی کون کیا جانوں ترے گھر میں جو آتا تھا   کوئی حسرت سے پھر پھر دیکھ ادھر روتا جاتا تھا
برس لے ابر جتنا چاہے تو اب تیری باری ہے   کبھی دل تھا تو میں بھی رو رو اک دریا بہاتا تھا
کیوں گریباں دمبدم کرتا ہے اپنا چاک تو   ہاتھ سے تیرے ضیا کس گل کا دامن چھٹ گیا
آہ کرتے دہک گئے ہیں ہم   کیا شتابی بھڑک گئے ہیں ہم

آپ کو آپ میں نہیں پاتے — آہ کیدھر بہک گئے ہیں ہم
جوں چنار اس جا نہ پھولے ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم — جب مراد اپنی کو پہنچے ہیں تو جلجاتے ہیں ہم
جیسے دو ہمدرد آپس میں کریں غمخوارگی — دل ہمارا درد اپنا دل کا غم کھاتے ہیں ہم

جان گر زلف دل نہ دھس اس میں — دام ہے دیکھ تو نہ پھس اس میں
ہی قلمرو میں حسن کے سب کچھ — اک نہیں ہے سوادرس اس میں
دلِ نو غنچہ جھڑ پڑا افسوس — رہ گئی کھلنے کی ہوس اس میں

ہوں میں بے صبر رونے دو مجکو — کچھ کہو مت اے ناصحو مجکو
مجھ سا بندہ نہیں خدائی میں — ہاتھ سے اے صنم نہ کھو مجکو

خطِ نوشتہ میں اس واسطے بھیجوں ہوں دلبر کو — کہ لکھتا شوق میں گر کچھ تو لکھنا ایک دفتر کو
پڑی برقِ تجلی ایسی ازلی لن ترانی پر — کہ موسیٰ ہووے بے خود اور ہو دیدار پتھر کو

آہستہ پانوٗ رکھیو اے بوئے گل چمن پر — سوتے ہیں اس زمیں میں نازک دماغ کتنے
جوں گل لگائے منہ سے پھرتے تھے آگے اہا — ہوتے ہو دیکھ ہم کو اب بے دماغ کتنے

تربت ضیاؔ کی دیکھی کل رات دور سے میں — آئے نظر مجھے واں شمع و چراغ کتنے
ق
جاکر جو آج دن کو دیکھا میں کر تفحص — اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

• ایں مضمون را از میر ضیا سلمہ اللہ شنیدہ سلام اللہ خاں تسلیمؔ در فارسی ترجمہ نمودہ بنام خود شہرت داد ایں ندانست کہ در نظرِ صورت شناسانِ معانی انتبنٰی و فرزند پوشیدہ نمی ماند مثل ہندی مشہور ست

"ہاتھی پھرے گانوٗ گانوٗ جس کا ہاتھی اُس کا نانوٗ"

مضمون فارسی انیست تسلیم ؎

دوش رفتم بر مزارِ کشتۂ تسلیم خویش — می نمود از دور صد شمع و چراغِ حسرتے

چوں شدم نزدیک دیدم از قفس ہا بسے / یکدلے بسوخت باوے چند داغِ حسرتے

ضیا

سب امید اپنی کر حصول گئے / اک ترے در سے ہم ملول گئے
بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا / ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے
نہ کہ محروم ہوئے سو ہیں قاتل کہ مرتے ہیں / جو مانگے سو اُسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں
پلادے آب خنجر ہم کو قاتل تشنہ جاتے ہیں / جو کوئی مرتا ہے اُس کی حلق میں پانی چواتے ہیں
یہ ماتم کس دوانے کا ہے یارب آج صحرا میں / کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اُڑاتے ہیں
برعکس وضعیں آئیں اس کے نباہنے کی / شاید یہی ہے تاثیر اس دل کے چاہنے کی
جلدی ضیا خبر لے آتی ہے تجھ جگر سے / آواز ناتواں سی دل کے کراہنے کی
رو دیں ہم بزموں کو کیا اپنے دنوں کے پھیر ہیں / شمع محفل تھے جو کل سو راکھ کے اب ڈھیر ہیں
گل جو تو گلشن میں آکر پھر چمن سے ٹر گیا / چپکی لگ گئی بلبلوں کو رنگ گل کا اُڑ گیا
ایک دو ٹکڑے ہونا صبح تو تو سیو سے چاک تو / پرزے پرزے ہے یہ سینا کیا سیئے گا خاک تو
ٹک آہ بیچ نکل نہ کہیں دل تھلک پڑے / یہ جام بھر رہا ہے (سینہ) مبادا چھلک پڑے
تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا شمع سے / اک آہ اُس نے کھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے
کسی کا نام لے کوئی عشق اپنا یاد کرتا ہے / مروں ہوں بدگمانی سے کہ شاید تجھ پہ مرتا ہے
کسی دشمن کی بھی یارب گزرے شب جدائی کی / کہ جیسا اُس سے میرے وصل کا یہ دن گزرتا ہے
ضیا کیا درد مزمن ہے ترے دل میں میاں کچھ / کہ جو تو بات کرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا ہے
کیا جور کیا تعدی جو کچھ کرو بجا ہے / بدلا ہے دل دہی کا اُس کی یہی سزا ہے
برعکس حال اپنا میں کیا کہوں عزیزاں / (لہ) جوں جوں اِدھر وفا ہے توں توں اُدھر جفا ہے
ہر آرزو ضیا کے دل کی تباں خدا دے / تم اُس کو گالیاں دو اور وہ تمہیں دعا دے
دل مجھے پھر اُسی کوچے میں لئے جاتا ہے / دن کو ہے قتل جہاں رات جہاں شبخون ہے

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر
مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

اس گلی کا جو گرد ہوتا ہے
در بدر شہر گرد ہوتا ہے

کون سے زخم کا کھلا ٹانکا
آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں
ناصح یہ کیا کروں کہ مرا دل پہ بس نہیں

نہیں کھلنے کی امید ہے نہیں بو کی آس ہے
غنچہ ہوں دل کا مجھ میں فقط داغِ یاس ہے

تم تو ہمارے پاس سے جاؤ گے کل پہ ہائے
اپنی نظر میں آج جہاں سب اداس ہے

دل تیرے پاس ہے کہ نہیں خیر ہے ضیا
کچھ ان دنوں میاں تو بہت بدحواس ہے

گریبان و خاک اڑاتا جوں ابر جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی دیکھے ہیں نرگس کو
خدا جانے یہ چشم اپنی پھرے ہیں ڈھونڈتی کس کو

ہم نہ مثمر نہ ہم نہال ہوئے
اگتے ہی ہم تو پائمال ہوئے

دل جگر اشکوں میں بہ گئے یوں ہی تنک کر رہ گیا
جوں جدا ہو قافلے سے کوئی تھک کر رہ گیا

دل کے جلنے پہ نہ کی رقت کسی نے رحم سے
خود بخود جل بل یہ انگارا دہک کر رہ گیا

ہر طرف زخم زخم تھا ہر سو سے داغ تھا
دل بھی ضیا ہمارا کبھی رشکِ باغ تھا

کعبے میں چھپ رہا ہے یا دیر میں نہاں ہے
خانہ خراب جلدی تو بول اٹھ کہاں ہے

آہوں سے سلگوں کب تک اے شعلہ تو بھڑک اٹھ
بجلی کی طرح مجھ پہ یکبارگی کڑک اٹھ

تم تو غبارِ جاں کے دامن جھٹک اٹھے
پر میری حسرتوں کو زمیں پر پٹک اٹھے

کیا کہا قاصد ضیا سنتے ہی جس کے مر گیا
بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

رباعیہ

کیا عیش و نشاط شادمانی کرتے
کیا ناز و نیاز جاودانی کرتے

گر یار کہے میں اپنے ہوتا تو ہم
کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے

مولانا میر غلام حسین المتخلص بہ ضاحک ابن میر عزیز اللہ والد ابن فقیر مؤلف
از سادات عالی شان سپہر مکان عالم و فاضل، ناثر و ناظم بغایت فہیم، ہزل دوست
مزاج پسند بذلہ گو و نکتہ سنج، درویش مزاج، متوکل، از سی سال ترک روزگار نمودہ
بکمال بے پروائی بسر می برند در فہمید علم موسیقی گوش شنوا و در فکر آورد فکر رسا۔
با وجود قوت آں علم کہ در ہیچ مولوی ساجد بکار بردہ اند چوں طبائع سامعان را در خور
سخن بلند نیافتند بقدر حوصلۂ آنہا بہ طرف ہزل توسن قلم را ندند لیکن زبان عجیب غریب
اختیار کردہ اند کہ از آدم تا ایندم کسے نہ گفتہ چنانچہ یک مطلع ترقیم می نماید مشت نمونہ

یا ایہا التلانکہ کرد حجلانکہ کل تو چی پرابیہ فرد بکاسرہ

غزل ایشاں کم از چہل پنجاہ بیت نمی باشد در بر ہر غزل و ہزل پارۂ نثر نوشتن نیز
شعار او شانست، چوں گنجائش دریں پارچۂ کاغذ نبود از ہزل گزشتہ بر غزل اکتفا
نمود تا زور و قوت ایں علم ہم مفہوم گردد، حق تعالیٰ ایشاں را ہمیشہ بر سر ما خوش و خرم
سلامت نگہدارد ولہ

در ہجر اگر روز اجل آہ نہوتا قصہ تھا محبت کا یہ کوتاہ نہوتا
کیا دیجئے اصلاح خدائی کو تو لیکن کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہوتا
اس آن تھفے آنسو جب آن کہ جی ڈوبا تب جان سے ہم اٹھے جب دیدۂ نم بیٹھے

ولہ

رباعیات فارسی در مدح امام علیہ السلام

کشاف حقائق و نکات توحید آں راکب دوش احمدی شاہ شہید
خود معنی آیات کلام اللّٰہی ست تفسیر حسینی است بہ قرآن مجید

افسوس دلاکہ غمگساراں رفتند — سیمیں بدنان گلعذاراں رفتند
چوں بوے گل آمدند برباد سوار — درخاک چو قطرہ ہاے باراں رفتند

حرف الطاء

مرزا طالب طالب تخلص از متوطنان قصبہ بربند ہست کہ متصل اورنگ آباد واقع ست، جوان عالمگیری بود، ایں شعر بنام او دیدہ شد ؎

ہما کے خونِ چشم سے آلودہ کب کرے — وہ پگ جسے گرانی ہی رنگ حنا سیتی

حرف الظاء

ظہور تخلص، جوان محمد شاہی از سلک متوسطین بود معلوم نیست کہ کجاست ؎

کچھ کٹی وصل میں کچھ ہجر میں گریاں گزری — کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری
چشمِ گریاں حسن سے معمور ہے — چاندنی برسات کی مشہور ہے

حرف العین

اول از متقدمین عزیز اللہ دکھنی از اورنگ آباد ہست یک غزلے گفتہ است کہ نام ہمہ اولیا کرا درو درج نمودہ مقطع آں بیاد بود، قلمی مینماید ؎

مجھ ناتواں میں کیا سکت جو بولوں ولیاں کی صفت — عاجز عزیز اللہ پر دکھن کے سب پیراں مدد

خواجہ عطاء اللہ عطا تخلص، شخصے در عہدِ عالمگیر بود، او باش وضع، موافق طور خود شعر بلند میگفت، ہندی و فارسی ہر دو۔ نقل ست کہ بادشاہ دین پناہ ایں را بنا بر گناہے گرفتہ حبس نمودہ بود، روزے بحسب اتفاق بادشاہ عالی جاہ مصرعے موزوں کرد از کسے پیش مصرع او خوب بہم نیرسید ایں سخن قال قال بگوشِ عطا رسید گفت

اگر مرا خلاص نمایند میگویم چنانچہ پیش ملک باین وسیلہ بردند، بادشاہ فرمود کہ مصرع ما نیست

ع بسترم خاک وخشت بالین است

عطا گفت قرابت شوم

ع یکے از سرگذشت من اینست "

باوجود این فکر عمدہ طرز خود را چنین مقرر کردہ بود خدایش بیامرزد از وست ؎

اے در شہر حسن توکتی پچھاڑ چشم | زیر مژہ نہفتہ چو آہو پچھاڑ چشم
بر فلک شب نمی طپید انجم | دل رستم ز سہم می دھڑکد
دست و پا میزند عدو در رن | ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

حرف العین

احوال متوسطین، محمد عارف المتخلص بہ عارف اکبرآبادی است متصل دہلی دروازہ شاہجہان آباد دکان دارد، رفوگرست، حالا سن او قریب ہفتاد رسیدہ باشد از ایہام بندان ست اکثر شعرائے ہم مشرب او او را بہ استادی ستودہ انداز بسکہ بسیار کم میگوید خوب میگوید سلامت باشد ؎

دختر رز سے کہہ کہ اُس سے ملے | ورنہ عارف افیم کھاوے گا
ہزاروں معنی باریک آویں دل ہیں اے عارف | اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے مُنہ پہ کھل جاوے
جنوں کی قطع اب پوشاک سیے کیجئے | بہار آئی گریباں چاک سیے کیجئے

عاجز تخلص، در عہد فردوس آرامگاہ از شاگردان میاں کمترین بود از وست

دل بغل بارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اپنے گلستاں دوڑ لو

سید عبدالواسع **عزلت** تخلص، متوطن سورت، ولد سید سعد اللہ قدس سرہٗ، درویش وضع، عالم و فاضل، متوکل، فارسی ہم میگفت، لیکن مائلِ ریختہ بسیار بود، در وقت محمد شاہ تازہ واردِ ہندوستان بود بہرۂ از دردمندی داشت ؎

نخلِ اُمید بے وفاؤں سے — جی سلامت رہے تو پھل پایا
چینِ ابروئے بتاں سے مراجی اُلجھا ہے — دل کھلے گر کبھو دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ — یارب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑ جاوے
نہ پوچھو ہوئے کیفی چشم یہ سرمہ نے گھیری ہے — گریباں گیرِ ظالم کے سجن فریاد میری ہے
بجز رفاقتِ تنہائی آسرا نہ رہا — سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

رائے سکھ رام **عاقل** تخلص، متوطن پنجاب، طبع موزوں داشت گاہ گاہے فکر میکرد ؎

نہ بس اپنے سے کیا اس کو میں رخصت عاقلؔ — جب مرا بس نہ چلا میں نے خدا کو سونپا

عزیز شاعرِ زبان دان، منشی خوش بیان غنچۂ باغ تمیز رائے بھگاری داس المتخلص بہ عزیز سیلِ طبعش رواں و توسنِ خامہ اش دواں، مرد لیست سیہ فام و جسیم مشتاق قدیم از شاگردانِ خواجہ میر درد، مولدش شاہجہان آباد از مدتے در الہ آباد بسر میبرد سلامت باشد ؎

ساتھ لے نکلے ہے جی آہِ جگر آخرِ شب — شمع ہو بزم سے سرگرم سفر آخرِ شب
دل پہ غفلت نے کیا پیری میں اس طرح ہجوم — نیند جس طرح کرے آنکھوں میں گھر آخرِ شب
بلیں کیونکر بھلا اس شوخ طفلِ لاؤبالی سے — کہ سوتے سوتے چونکے ہے تصویر نہالی سے
دلِ بے معرفت سے خانۂ پہلو نپٹ بہتر تھا — بغل میں کاش ہوتا سنگ اس ہٹیلے خالی سے

رباعی

دن تو گزرے ہے اشکباری کرتے — اور رات تمام آہ و زاری کرتے
گر روزِ فراق ہم کو ہوتا معلوم — واللہ کہ ہم نہ تجھ سے یاری کرتے

شعر

کرتے نہ یار اگر دل کو صاف کہتے ہے　　عزیز موت بھلی پھر تو ایسے جینے سے

عسکر علی خاں شخصے بود عمدہ روزگار، بطرف بنگالہ، طبع موزوں داشت ؎

روتے روتے نہ رہا نام کو نم چشموں میں　　آبرو کیونکہ رہیگی مری ہمچشموں میں

غازی الدین خاں عاجز تخلص شخصے بود در عہد فردوس آرامگاہ، اکثر در بحر کبت و دوہرہ ریختہ می گفت چند اشعار او دیدہ شد چوں دریں بحر خوشنما نبود بنگارش نیاورد۔

از احوال متاخرین | نواب معلی القاب غازی الدین خاں عماد الملک الکتاب جامع طبعش صحیح و بیان معنیش بیح، دستگاہ فضلش وافی و شراب لطفش شافی، والی صدر عالی قدر بہ جمیع علوم قادر، در فنون سخن ماہر، از وزرائے ہندوستان در عہد خود بودہ الحال سروکار بایں عہدہ ندارد و ہفت قلم و ہفت زبان است، اشعارش بایں سبب اشتہار نیافتہ کہ شعرہائے خود را سرسری گذاشتہ و بکسے ارزانی نفرمودہ، نظر بر آن است کہ در شعر لبیت و بلندی باشد منتخب نمودہ اشتہار باید داد سوائے ایں چند بیت بگوشش نخوردہ از وست ؎

دل گرمی نگاہ سے بیتاب ہو گیا　　جب تک اُسے میں تھانبھوں جگر آب ہو گیا

زلف کا کھولنا بہانا تھا　　مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

بس اب اس سے مت زیادہ ہمیں داد خواہ کیجو

تجھے اپنی ہی قسم ہے ٹک ادھر نگاہ کیجو

ٹک ادھر دیکھ سجن ہم بھی توجہ رکھتے ہیں

گوکہ ظاہر میں ہم اب دست تہی رکھتے ہیں

صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم محمد عظیم المتخلص بہ عظیم، مرد لیست شاعر درد کش ظاہر حسن بیانش از کلامش پیدا برساوہ عذاران شیدا، از شاگردان مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ، مدتے در فرخ آباد بلباس درویشی بسر بردہ الحال شنیدہ ام کہ در شاہجہان آباد دست بطور تکیہ پیش از درویشی داشت غرضکہ بہر رنگے کہ باشد خوش باشد ؎

اس قدر پتھر نے کب پایا تھا یار و رنگ سرخ — کوہکن کے خون کی دولت ہوا ہی سنگ سرخ
آکر ہماری خاک پہ کیا یار کر چلے — خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
کیا سحر تھا نجانوں کہ گلشن میں آن کر — بلبل کو گل کی شکل سے بیزار کر چلے
خواہی پیالہ خواہ سبو کر ہمیں کلال — ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

خانِ مہربان علی اعظم خاں، عاشق تخلص از مریدان مرزا گھسیٹا عشق تخلص برادر بزرگ میاں محترم خان است کہ محترم تخلص دارد، در اوائل فکر سخن کم کم میکرد از چندے ترک دنیا نمودہ مشغول در یاد الٰہی است، سلامت باشد ؎

شمع کی طرح کون رو جانے — جس کے دل کو لگی ہو سو جانے
روز و شب یار سے ملا کیجے — چین اس پر نہو تو کیا کیجے
جتنے جور و ستم ہوں تو کر دیکھ — یہ نہوگا کہ کچھ گلا کیجے

مرزا عسکری تخلصے است در مرشد آباد از یاران شاہ قدرت اللہ قدرت یک مطلع ازو بگوشش خوردہ ؎

بات اب امتحان پر آئی — قصہ کوتاہ جان پر آئی
اے اشک تو اس کوچے میں اب مجکو ڈبا دے — چاہے ہے صبا یہ کہ مری خاک اڑا دے

خورشید سپہر حال و سپہر خورشید کمال، مالک کنوزِ دقائق و کاشفِ رموز حقائق کلامش بمذاقِ تصوف آشنا و نورِ صفائے باطنش چون آئینہ صبح دل کشا در عینِ صفا، عارف صاحب کمال د

درویش بمثال عرف مرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق، مرد صوفی است کہ خیل مریداں و معتقدان حلقۂ غلامی دارند، در سلسلۂ نقشبندیہ نقش زدہ، اصلش از شاہجہان آباد است پیشتر نوکری پیشہ بود الحال از مدتے ترک روزگار نمودہ بہ عظیم آباد مقیم است، مرزا فدوی از شاگردان و معتقدان اوست شعر عارفانہ در کلامش بسیار است گاہے در ذوق و شوق یا بعالم وجد دو سہ شعر میفرمایند دامہ افضالہ

آہ جانسوز کو بسم اللہ دیوان کیا
عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

تا جان نہو عدوِ دل کی
تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

تھا کعبہ و دیر سے کسے کام
مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم

جز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو
طرفین سے بے خبر گئے ہم

تصرف چشم کا گر میں دکھاؤں
تو اک پل میں ابھی طوفاں اُٹھاؤں

یہ ہر دم بلبلا سا پھوٹتا ہے
کہاں تک شیشۂ دل کو بناؤں

خانماں کر چکا ہوں میں برباد
اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا

خاک جو شہر میں لگی اُڑنے
عشق کیا چشم تر نہیں آتا

نے دودِ دل ہے باقی نے آہ و نہ فغاں ہے
اے سوزِ عشق سچ کہہ تو اِن دونوں کہاں ہے

رونقِ بوستان کیا کیجے
تو نہ ہو تو یہ جان کیا کیجے

ڈر سے اُس کے زباں پہ حرف نہیں
تس پہ ہے بدگمان کیا کیجے

بے نشانی ہے یار کو منظور
عشق نام و نشان کیا کیجے

حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا
سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا

اُسی کا آئینہ ہژدہ ہزار عالم ہے
دولے کیا کہوں تجھ سی کہاں کہاں دیکھا

نہ عزمِ وادیِ ایمن نہ طور کا ہے قصد
جو کچھ کہ دیکھنا تھا دل میں سب عیاں دیکھا

دل یا جگر جو رکھے سو اُس سے دُو بدُو ہو
منہ دیکھو آئینہ کا جو اُس کے روبرو ہو

کیا کیا جفائیں ظالم میں نے تری سہی ہیں
تیر نگاہ تو سے لب آشنا نہیں ہیں

بعد قتل مجھکو کس طرح چین آوے
جو حیرتیں تھیں دل کی سو جوں کی توں ہی ہیں

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سیئے ہے
یہ عاشق جانباختہ کس دن کے لئے ہے

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام
دوسری پھر اُسے نہ آئی شام

کعبے میں بہت خاک اُڑائی ہم نے
بتخانے میں صورت بھی نہ پائی ہم نے

آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور
دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے

دل لے کے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے
ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون ہے

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سی ملکے مُل
فی الحقیقت تب نظر آویں یہ خشت گل کو گل

حرف الغین

ازاحوال متقدمین غوثی تخلص محمد غوث خلف مولانا قطب الدین گجراتی قاضی حیدرآباد صاحب حال و قال بود گاہ گاہی بمقتضائے موزونی طبع دو سہ ریختہ میفرمود آخر بزیارت حرمین رفت ہمانجا جان بجان آفرین سپرد غفر اللہ لہ ؎

تیغ بھواں سی کن کہا گھایل نکو کرو
پلکاں کے یا خنجر سیتی بسمل نکو کرو

غواصی تخلص در وقت جہانگیر پادشاہ بود، طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است، بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی، بطور ریختہ کتابی سرسری دیدہ بودم شعر آں نظم بیاد نیست۔

غریب تخلص، در سلک متوسطین بود معاصر میاں آبرو طبع معقولے داشت ازو ہمیں یک غزل مشہور است ؎

دیکھ دستار لپیٹتی ساقی سرشار کی
کھل گئی ہیں آج انکھیاں نرگس بیمار کی

بات رہجاوے گی قاصد وقت کہنے کا نہیں
دل تڑپتا ہے شتابی لا خبر دلدار کی

ای دل اس نامہرباں کی مہربانی پر نہ بھول | جی کا دشمن ہی جو وہ کرتا ہی باتیں پیار کی
حال کہنے کا کبھی جو وقت پاتا ہی غریب | بھول سب جاتا ہی باتیں دیکھ صورت یار کی

میر تقی غریب تخلص دیگر در سلک متوسطین بود احوالش معلوم نیست از دست

الٰہی مت کسی کے پیش در د انتظار آوے | ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

محمد امان خان غریب تخلص در سلک متاخرین در شاہجہاں آباد در وقت احمد شاہ بود بطرف بنگالہ رفت از دست

میری بغل میں جو دل پر داغ ہی غریب | حسرت چمن کی کھانے کو یہ باغ ہی غریب

غلامی تخلص در شاہجہاں آباد بود از قوم ارزل بہ پیشۂ خبرداری نوکری داشت لیکن در فن شعر بکمال بے خبری بسر برد مگر طبع موزونے داشت از دست

سرخ لاتی ہیں نشے بیچ جو ڈورے انکھیاں | دل زخمی پہ لگاتی ہیں ٹکورے انکھیاں

حرف الفاء

از احوال متقدمین فخری تخلص از مردم دکھن بود شاگرد ولی

جب دیکھوں ہیں تجھے تو چکا چوند لگ رہے | ہرگز کہیں دکھا ہے نظر بھر کر آفتاب

فراقی تخلص از مردم دکھن بود ہمراہ فقیر اللہ آزاد بہ ہند آمدہ بود از دست

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس دم کہ وہ ظالم | کمر سے کھینچ کر خنجر چڑھاتا آستیں آوے

افضل الدین خان فضلی تخلص در زمان خود از خوشگویان بودہ یک مثنوی در تعریف شاہزادہ قریب پانصد بیت بآب و تاب گفتہ خدا ایش بیامرزد این از آن مثنوی است

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب | تبسم لباں پر جو موج شراب
زنخ جوں ثمر تا دِسے سیو کا | پہ واں ہاتھ کب پڑ سکے دیو کا

از احوال متوسطین مرزا مرتضیٰ قلی فراق تخلص از ملازمان توپخانۂ پادشاہی بود اکثر

شعر بفرس میگفت گاہ گاہی ریختہ ہم بہ ندرت موزوں میکرد ولہ

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہی ۔ کہ یاں اک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہی
اسیروں کی قسم تجکو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں ۔ کوئی اُن ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہی

میر شمس الدین فقیر تخلص احوال ایں بزرگوار از تذکرۂ فارسی مسطورات، شاعر زبردست بود و دو سہ ریختہ ہم ازاں بزرگ مشہور است دریں لا بطرف کربلائی معلی تشریف بردہ بود ہمانجا بجوار رحمت ایزدی پیوست رحمۃ اللہ

ترا سنہ دیکھ بلبل گل سیتی بیزار ہو جاوے ۔ اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے
زندگی موج آب ہے گویا ۔ دم کا آنا حباب ہے گویا
خال تیری بیاض گردن پر ۔ نقطۂ انتخاب ہے گویا

محمد محسن قدوی تخلص از شرفائے شاہجہاں آباد است در علم موسیقی و ستار نوازی شہرتے دارد، گاہ گاہی فکر ریختہ ہم میکند، جوان محمد شاہی است تا حال زندہ است حقتعالی سلامتش دارد از وست

ایک ملنا غیر کا تو چھوڑ سکتا نہیں سجن ۔ دیکھ تو عاشق نے تیری واسطے کیا کیا تجا
طلب میں یار کی رہنا ارادت اس کو کہتے ہیں ۔ پھر اس میں گو اذیت ہو سعادت اس کو کہتے ہیں

میر امام الدین قدا تخلص از سلک متوسطین بود الحال معلوم نیست کہ کجا ست سلامت باشد از وست

یہ چاہتی ہیں کہ لیں دل مرا تری باتیں ۔ مری نظر میں ہیں سب دلربا تری باتیں
تو بات بات میں ہوتا ہی مجھسے آزردہ ۔ یہی تو کچھ نہیں اے بیوفا تری باتیں

از ہنگامہ آرایان زماں و ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خان المتخلص بہ فغاں کوکۂ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ، خان ظریف طبع و خوش اختلاط بود با ہر کس خوش طبعی داشت شاعر مربوط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است، از مدتے بطرف عظیم آباد

پیش راجہ شتاب رائے بسر می بُرد از چندے جان بجان آفریں سپرد، دیوان فارسی
ہم ترتیب دادہ است خدایش بیامرزد از وست

صنم بنا تو خدائی ہیں تجکو کیا ہوا
ہزار شکر کہ تو بت ہُوا خدا نہوا

زخم دل تو سیا نہیں جاتا
پن سیئے بھی چھپا نہیں جاتا

اے فغاں دیکھنا سمجھ لینا
دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا

ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا
جھگڑا مٹا عذاب سے چھوٹے، خلل گیا

جب گلشن بہار کو رنگ خزاں نہ تھا
مشفق ہماری حال پہ تو مہرباں نہ تھا

دلبستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے
گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا

یہ امتحاں نہ کر اے مری مہرباں عزیز
جہاں میں کوئی تجھ سے رکھیگا نہ جان عزیز

ملے ہے غیر سے ہرگز اُسے حجاب نہیں
کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں

خراب دیکھ کے گا مری خرابی کو
ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

عاجز ہوں تیرے ہاتھ سے کیا کام کروں میں
کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں
کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

تقویت ہی داغ سے میری دل بیمار کو
اے فلاطوں کہہ تو کیا کہتے ہیں اس آزار کو

چھوڑ کر مجھکو کہاں جاتا ہی اے خانہ خراب
سونپتا ہی کیا مرے سر سے در و دیوار کو

ہم نے شب فراق میں سنتا ہی اے فغاں
کیا خاک ہو کے حسرتیں دل کی نکالیاں

ق
یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل
آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں تھیں کالیاں

نکالا خط ہمیں پیغام کیا ہو
اب اس آغاز کا انجام کیا ہو

نہ الفت نہ محبت نہ مروت
تری خاطر کوئی بدنام کیا ہو

ہوا جو وصل تو دھڑکا رہا یہ
الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پر چراغ — روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ
صنم کہنے سے کب خوش ہے وہ کافر — خدائی کا تصور بندھ رہا ہے
فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو — جدائی کا تصور بندھ رہا ہے
نہ اے قاصد میں رو رو یار کی فریاد کرتا ہوں — تری دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
گر کوئی مار اپڑے تیری بلا سے کیا تجھے — بلکہ خوش آتا ہے اے ظالم یہی چرچا تجھے
یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے — مقدور جب نہووے تو مجبور کیا کرے
ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جئے — مرے تو مر نہیں سکتا جئے تو خاک جئے
کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گزر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی
مجھسے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے — یوں بھی گزر گئی مری ووں بھی گزر گئی
شکوا تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا — تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی
(ہ)

این شعر را مرزا رفیع سودا سلّمہ اللہ در قطعہ تضمین نمودہ است

ق
تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی
اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے — عجب حالت ہے میری اے مرے اللہ کیا کیجے
مجھ دل ناشاد کو ہر وقت غم سے کام ہے — کیا خوشی یارو زمانے میں کسی کا نام ہے
کٹ گئی ساری عمر غفلت میں — کچھ تری بندگی ادا نہ ہوئی
عکس میرا شب ہجراں میں تماشائی ہے — ایک میں آپ ہوں اور گوشۂ تنہائی ہے
میں تو وہ ہوں کہ مرے لاکھ خریدار ہیں اب — لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہے
دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے — میں صید بلاکش ہوں مرا کام یہی ہے
صیاد اور صید کے منکر ہو بس ابھی — معمور شتِ پر سے ہے کنج قفس ابھی

نالاں نہ ہو تو یار کے شکوے سے باز آ ❊ سن پائیگا فغاں کوئی فریاد رس ابھی
کٹیں تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی بڑیاں ❊ لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں
اشکوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا ❊ کچھ بس نہ چل سکا تو مری جان رو دیا
اُس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی ❊ دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

ہجو یک اکول خوب کردہ است کہ مطلعش این ست ؎

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں ❊ نہ ہمارے نہ وہ تمھارے ہیں
دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے ❊ متلاشی ہیں آب و دانے کے

میر فرّخ علی فرخ تخلص از سادات اٹاوہ است طبع رسائے دارد، ریختہ و فارسی ہر دو می گوید ؎

اِس قدر کیوں مجھ سے ہو لے مہوشاں نا آشنا ❊ میں بھی تو آخر کسی دن تھا تمھارا آشنا
گو ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال ❊ پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہکن سا آشنا
چشم سے نور گیا، تن سے تواں، جی سے صبر ❊ عشق میں تیرے۔ ہوا مجھ سے جُدا کیا کیا کچھ

از موزونان جہاں فضائل علی خاں بے قید تخلص، جوان محمد شاہی بود، خوش خوراک و خوش پوشاک، بکمالِ خوبی بسر می برد، در شعبدہ بازی و صحبت داری کامل بود طبع نیز دردمند داشت، مثنوی او بسیار مشہور ست۔ بایکے از بتانِ ہند تعشق پیدا کردہ بود از گردشِ روزگار ہمراہِ نواب عمدۃ الملک بہ الہ آباد رفت از فراق محبوب چوں ماہیِ بے آب و آہوان بے صحرا می طپید و وحشت می نمود، روزے از برائے دلبری او نواب موصوف جمعے از اہلِ نشاط جمع نمود و بہ آں طوائف اشارہ کرد کہ ایں را از ناز دلربایانہ بدام آرید شاید کہ دلِ ایں عسرت رسیدہ شاد شود و اندوہ و غم فراموش کند، غرض از آں جمعے یک نازنیں آمد و ایشاں را بہزار فریب و عشوہ رام کرد دراں مقدمہ حسب حال خود مثنوی گفتہ و بسے دُرہائے معانی در سُفتہ لیکن تماشا درآں جاست کہ چوں ایشاں کام دل حاصل نمودہ بر سرِ زانوئے آں

پریرو سر گزاشتند و بخواب رفتند در خواب محبوبۂ اوّلیں خود را دیدند کہ چنیں می گوید ؎

از مثنوی

عجب خواب دیکھا میں اس خواب میں
ہوا جس سے میں پیچ اور تاب میں

ہوا تھا جنھوں سے میں اوّل جدا
سو کیا دیکھتا ہوں وہی دلربا

کہ جو چاہتی تھی مجھے دل سیتی
جدا بھی ہوا تھا میں مشکل سیتی

سو کہتی ہے یوں میرا دامن پکڑ
کہ چھوٹے ترے غم سے میرا جگر

شب و روز رونا مرا کام ہے
ترے نام لینے سے آرام ہے

پھرے میرے یوسف تو کس کی گلی
تری چاہ میں میں ہوئی باؤلی

یہاں تو جو چاہے تو کر میرے ساتھ
قیامت کو دامن ترا میرے ہاتھ

چوں از خواب بیدار شد کسے گفت کہ کسے در تلاش صاحب ست پس بیروں آمد قاصدے دید کہ نامہ در دست داشت چوں نامہ را دید معلوم کرد کہ ازاں محبوبہ است، بیانِ آں نامہ چنیں نظم نمودہ ؎

جو دیکھا لفافے پہ لکھا ہے یہ
کہ کھولو شتابی برہ کی گرہ

لکھا بعد یا جامع الفارقین
سلامت رہو قاتل الشاہدین

تمھاری خوشی سے یہاں خیر ہے
سدا ہجر کے باغ کی سیر ہے

بہت پھول لالا دکھائے مجھے
ترے داغ سے کچھ نہ بھائے مجھے

سدا غم کی جو پڑ تجھے کر تحیت
برہ کو میں کرتی ہوں اپنا حریف

سو مجھے سی پڑتے ہیں ہر سال میں
گئے جگ کئی بیت اس حال میں

نہ پوچھی جو تم اب تلک میری سار
تو جلتی ہوں میں اپنی قسمت سی ہار

کہو کون ہے وہ جواہر مثال
بسے کس کے ہیرے میں ای میرے لال

جو تم آکے دیکھو برہ کی تماش
کہ سر جنگ کیا کیا دئیے کر تلاش

جو دیکھا تھا تم رنگ سرخ و سفید　　مرے تاج سر اب نہ رکھیو امید
دو دیکھو ہیں کہ شمشیر حسن کے غلام　　ادھر کو نظر کر کریں ہیں سلام
مرے من ہرن بوجھ کر جی کی بات　　گر دشاخ آہو او پر ست برات
جو ہارا ہو پھیر تم اُسے دیجئے　　جو ماندہ ہو پر ہم اُسے لیجئے
کروں کیا نکلتی نہیں جان ہی　　کہ یہ میری غلطی کا تاوان ہے
زیادہ نہیں اس سے کچھ مدّعا　　یہی مدّعا تھا لکھا والدعا

قریب پانصد بیت گفتہ است لیکن دراول خوب ست کہ غمزہ و ادا ہائے زنان و بیانِ حسن آنہا کردہ وچون آخر احوال دیوانگی خود آوردہ درحالتِ دیوانگی پریشان گفتہ در اشعارے او نہ شعرے نہ بیتے شہرت گرفتہ سوائے ہمیں شعر ؎

ہوا تھا زلف سے سودا پر آنکھوں نے بہا ڈالا　　گرہ میں ایک دل رکھتے تھے آج اسکو بھی ترد بیٹھے

غرض شخصے خوب بود خدایش بیامرزد۔

فدوی لاہوری مردے بود برخود غلط، برائے مباحثہ و مجادلہ بہ فرخ آباد پیش مرزا رفیع سلمہ اللہ آمدہ ہنگامہ برپا نمود بعد از ذلتِ بسیار بہ وطن خود برگشت، یوسف و زلیخا بزبان ریختہ گفتہ بود و بہمہ عالم می نمود، ہر کسے کہ از و لطف برمی داشت از و محظوظ می شد حالا معلوم نیست کہ زندہ است یا مُرد از دست ؎

مژہ کی نوک سینے میں نگاہِ یار سے ڈوبی　　کہ جیسے بھال توڑے ہیں سری یک بار لے ڈوبی
نہ پوچھو رنگ مہندی کا کفِ قاتل سے اے یارو　　کسی کے خوں میں اس کے ہاتھ کو تلوار لے ڈوبی

میر فتح علی شیدا ہجو او را خوب کردہ است قصۂ بقال و بوم حسبِ حال او درج نمودہ است

از احوالِ متاخرین

محمد فرحت اللہ المتخلص بہ فرحت قاضی زادۂ مرشد آباد نبیرۂ شاہ مدار است، رطب و یابس بسیار دارد، ازان جملہ این چند بیت ترقیم می نماید؎

نہ ایک عرش پہ تنہا ظہور ہے تیرا　　نگاہ کیجئے جیدھر کو نور ہے تیرا

قدم شمردہ رکھوں کیوں نہ خارِ دشت پر — مری نگاہ کو پاسِ حضور ہے تیرا
زندگی میں تو رہے صدمے دلِ غمناک پر — بعد میرے دیکھئے کیا ہو قیامت خاک پر
چمن میں باتیں اس غنچہ دہن کی جس گھڑی چلیاں — خجالت سے جھکا (گردن) کر منہ کو اپنے رہ گئیں کلیاں
جفائے دلبری کا کیوں گلہ کرتا ہے عاشق ہو — نہیں لگتی ہیں فرحت مجکو یہ باتیں تری بھلیاں
ہر گھڑی جی میں مرے جلوۂ قدوسی ہے — طورِ سینا ہے مرا اور یہ جی موسی ہے
آہ یہ کون سی ہے راہ کہ در پیشِ نظر — ہر قدم منزلِ مقصود سے مایوسی ہے
اور کو کیوں سکے میں چاہوں کہ سوا تیرے خیال — روز و شب دل میں مرے در پئے جاسوسی ہے
اس چشم سے کب ابرِ تنک مایہ برآوے — دریا کے تئیں موج سے جس کی حذر آوے
دل چھوڑ کے تجکو تو کہاں آوے مرے پاس — پر اس کے کچھ احوال کی مجھ تک خبر آوے

رباعی فخریہ بر حسبِ نسبِ خود گفتہ

اک عمر ہوئی ہے کہ نہیں یہ سوتا — مدت سے بہت غم میں یہ ہے روتا
ظالم تو دعائے بد سے اس کی ڈرتا — ہے شاہِ مدار کا یہ فرحت پوتا

مرزا بچو المتخلص بہ فدوی، جوانے ست از مستعدانِ زمانہ در مثل و محاورۂ ہندی یگانہ، سخنش بہ مذاقِ عالی و طبعِ روانش در النظم متوالی مقبولِ انام، خوش طبع و شیریں کلام، اصلش از شاہ جہان آباد، از شاگردان شاہ عشق دام افضالہ دیوان اوائل را بہ آب شستہ بعد ازاں خوب تر گفتہ، بہرہ از علمِ موسیقی و ستارنوازی قدرے حاصل نیز کردہ و دردمند دعا مزاج در یکجا قرار نمی کند، گاہے در عظیم آباد و گاہے بمرشد آباد، گاہے بہ فیض آباد می نماید الحال شنیدہ ام کہ در بنگالہ پیش نگر سیٹھ بسر می برد، با فقیر حاضر و غائب دوستی دارد

گو تجکو نہ اعتبار ہووے — کافر ہو جسے قرار ہووے
بیگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح — ہم سب طرح ترے ہیں سمجھ تو کسی طرح

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئی
دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی

دل سے یہ ڈر رہے آج کی شب ہو گی صبح
شب فرقت ہے خدا جانیے کب ہو گی صبح

دم غنیمت ہے شب وصل کوئی دم ہیں رہے
وقت رخصت کے اے فدوی یہ غضب ہو گی صبح

ساقی منا کے اب کے بھی تو نے بہار کو
محروم ہیں رکھا دل امیدوار کو

حکمت ہے عین طبع کدر کو حجام سے
پانی بٹھا (ہی) ہی دیوے ہے آخر غبار کو

ٹرجا دیں مثل شیشۂ سے آبلے ابھی
رو کر اگر نہ دل کے نکالوں بخار کو

فدوی مرا ہی کام ہے روز اٹھکے جس طرح
رکھتا ہوں تھام تھام دل بے قرار کو

کس دل جلے کی تیرے تئیں بد دعا لگی
اے شمع اب تو آہ تری سر پر آ لگی

بندے کی بندگی کا کسی کو یقیں نہیں
پیارے خدا کے واسطے بول اٹھ خدا لگی

فدوی توکل جو یار کے پھرتا تھا آس پاس
اس نے کہیں کہا تھا کہاں کی بلا لگی

محفل میں شمع سنکے یہ بولی پتنگ سے
خانہ خراب تجکو بھی یاں کی ہوا لگی

ہماری کب آبرو کے اوپر اس ابر کے تئیں فلک نظر ہے
رکھی ان آنکھوں نے شرم یارب جگر جگر ہے دگر دگر ہے

ملے وہ غیروں سے ہر روش جا ہمیں کب آتا ہے تنک اس کا
یہ ڈھلتی پھرتی ہے چھاتو فدوی کبھی ادھر ہے کبھی ادھر ہے

(رہ) کچھ تو دل میں ترے نفاق پڑا
جواب آنا ادھر کا شاق پڑا

خم مے کی طرح ترا دل ہیں
جوش کھاتا ہے اشتیاق پڑا

یار ایسا نیا دے گا فدوی
دیکھ لینا گر اتفاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا
یار تیرا کدھر خیال گیا

ایک دن بھی نہ اس کو دیکھا حیف
یوں ہیں اب کا تمام سال گیا

تجبے ہوتے ہیں دردمند جدا
گو کرے (نہی) کوئی پیشہ بند جدا

سانولے گورے سب تماشا ہیں
اپنی اپنی یہ ہے پسند جدا

گلا آپس میں آگے بھی کچھ تھا
تکلف برطرف ایسا ہی تو تھا

برنگ آئینہ جو عیب جو تھا
وہ پانی پانی اس کے روبرو تھا

ٹک اثر ہو زباں میں پیدا | پھر سبھی کچھ ہے آن میں پیدا
زندگی کا نہ کچھ مزا پایا | کیوں ہوئے تھے جہان میں پیدا

رفتہ رفتہ اپنے جوہر یار دکھلانے لگا | آستیں کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا
کیا تسلی کر گیا تھا یار اُس دل کی مرے | یہ تو کچھ جاتے ہی اُس کے اور گھبرانے لگا

دل پڑا ہی یہ شمع ساں اپنا | سر جلاویں کہاں کہاں اپنا
ساتھ پھرتے ہیں بہت مائل سے لگے | دیکھتا کیا ہے انھیں قاتل سے لگے

مجھ سوختہ دل کو تو نہ کہہ پیکرِ طاؤس | جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پرِ طاؤس

رباعیات

دل ہی اپنا نہ جسم و جاں ہی اپنا | اپنا کسے سمجھئے کہاں ہی اپنا
اپنی تو نظر میں فدوی اللہ سوا | یاں ہی اپنا نہ کوئی واں ہی اپنا

دیگر

یار و ملے اب کوئی کسی سے کس طور | منصف ہو ذرا دل میں کرو اپنے غور
جوں آئینہ کب تلک یہ خاطر داری | منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ اور

دیگر

کیا ملئے یہ آشنا گھڑی کے ہونگے | آخر دشمن پھر اپنے جی کے ہونگے
ان سنگدلوں سے کیا توقع فدوی | یہ کس کے ہوئے ہیں جو کسی کے ہونگے

دیگر

گلشن میں کہاں یار جسے دیکھیں گے | بن اس کے تو ہرگز نہ اسے دیکھیں گے
قاصد نے تو ملنے کی توقع کھو دی | کیوں پھڑکے ہی آنکھ ہم کسے دیکھیں گے

دیگر

ہر چند ہلال تیرے ابرو سا نہیں | پر دل سے سپہر کے یہ باتیں نہ گئیں

کج بحثی کرے ہے اپنی اُس رفعت پر ناخون نہ دے خدا رذالے کے تئیں

دیگر

غیروں سے وہ آہ گرمجوشی ظالم اور ہم سے ملے تو یہ خموشی ظالم
سودے میں ترے تو ہم کہیں کے نہ رہے پھر کس کے لئے یہ خود فروشی ظالم

دیگر

کیوں ان سے کہیں کہ چشم و دل سمجھینگے یا آپ ہی ہو کے منفعل سمجھینگے
دل آنکھوں کو دوں دے ہے آنکھیں دل کو یہ جانتے انھو کا کام مل سمجھینگے

غزلیات

تری ہم نے تاثیر بس آہ دیکھی نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی
میں اپنی جان تلک حاضر ہوں پر تو اس کو کیا جانے مرے دل میں تو یہ کچھ ہے ترے دل کی خدا جانے
ہمیں تو عین راحت ہے جو کچھ تیری عنایت ہے گرفتارِ جفا ہووے جفا کو جو جفا جانے
کون اُسے یہ کہہ سکے کیوں قتل عالم کو کیا کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا
گالیاں کیوں کر نہ دیوے تو نے فدوی چھیڑ چھیڑ ایک تو وہ تھا ہی اُس کو اور بھی بدخو کیا

شاعر خوش تقریر زباندانِ دلپذیر گوہر کان فتوت مرزا الف بیگ المتخلص به فرصت متوطن الہ آباد است، بندہ او را ندیدہ مگر از یاران آں دیار شنیدہ کہ در آنجا مثل او کسے نیست، فصیح بیان و شیریں زبان، غالب کہ اصلش از شاہجہان آباد است از کلام او ہویدا و ظاہر است۔ علی الخصوص در غزل قطعہ از و بکمال خوبی می تراود سلامت باشد از وست

اُس کو طرزِ جفا خوش آتی ہے مفت میں اپنی جان جاتی ہے
اک عمر خاکِ کوئے بتاں سجدہ گاہ کی تب رفتہ رفتہ اُس بت کافر سے راہ کی
شاکی ہیں تیرے ظلم کے ہاتھوں سے کتنے بار اپنا ہی سخت جی ہے کہ ہرگز نہ آہ کی

نپٹ مضطر ہوں جب سے وہ گیا ہے — خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
بنا تجکو کوئی دستِ بُریدہ — یہ اپنے حق میں کانٹے بو گیا ہے
شمشیر کھینچ قاتل آیا جو میرے سر پر — ق — مرنے کی آرزو میں گردن میں اپنی خم کی
فرمایا تب یہ اُس نے اسے کشتۂ محبت — مہلت ہے ایک ساعت کر شرح اپنے غم کی
میں نے کہا کہ یہ غم وہ غم ہے جس کے لکھتے — کاغذ کی چھاتی پھاٹی کٹ گئی زبان قلم کی
میں کس طرح سے تجکو احوالِ دل سناؤں — جی میں ہزار باتیں فرصت ہے ایک دم کی

میر فخر الدین فخر تخلص، مردیست مؤدب و متواضع از تلامذۂ مرزا محمد رفیع سودا خلف اشرف علی خاں صاحب تذکرہ فارسی، اکثر ہمراہ مرزا میباشد و غزلہائے اکثر ترقیم مینماید۔ غرض مرد خوبے ہست، سلامت باشد ؎

بات کیجے غیر سے اور ہم سے مُنہ کو موڑیئے — ٹک خدا سے ڈریئے ان وضعوں کو اپنی چھوڑیئے
مُنہ نہ موڑے گا یہ عاصی گر یوہیں منظور ہے — لیجئے سنگِ جفا اور شیشہ دل توڑیئے
توڑنا دل کا تمھارے آگے تو آسان ہے — پر تمھیں تب جانیں جب ٹوٹے بھی دل کو جوڑیئے
اگر وہ اُٹھ گئے یاں سے تو پھر کس سے کہیگا تو — جو کہنی ہے تو کہہ اے فخر ایسے میں ہیں وُہ بیٹھے

میاں ثناء اللہ فراق تخلص، برادرزادۂ میاں ہدایت، از شاعرانِ حال است در شاہجہان آباد میباشد، شنیدہ ام کہ شعر خود بخدمت خواجہ میر درد میگزراند مربوط میگوید ازوست ؎

دلِ دیوانۂ عاشق کو ناصح رنج راحت ہے — جراحت پر مرے جو سنگ ہے سنگِ جراحت ہے

فارغ تخلص، ہندو بچہ است وکالت پیشہ از شاگردانِ میاں حاتم و از مریدان مولوی فخر الدین حالا در شاہجہان آباد استقامت دارد از تازہ گویان است ؎

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

شاہ فصیح، افصح الفصحا و ابلغ البلغا مردیست از شاگردان مرزا بیدل، بزرگانش از مردم طائفان اند کہ بطرفِ توران زمین است، عمرش قریب صد سال رسیدہ است بکمال درویشی در لکھنؤ تکیہ ساختہ وزانو بہ توکل دادہ بسر می برد دیوان فارسی دارد بمذاق تصوف بطور استاد خود، از سبب پیری وافیون کہ بسیار تناول مینماید فاقہ شدہ است قوت برخاستن ندارد وورسال یک ہزار ویک صد ونود ودو برحمت حق پیوست خدایش بیامرزد **افصح** تخلص درفارسی مینماید لیکن چوں شاہ فصیح مشہور ند برائے ایں درردیف فا نوشتہ شد ؎

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم — ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
زاہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر — ایدھر نہ گئے اُدھر گئے ہم
کیا بالا شوخ کی قامت دیکھی — ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
سرمۂ چشم جہاں ہیں ہونا — خاکساری کی کرامت دیکھی
جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں — زندگانی ہے کہاں موت کے دن بھرتے ہیں

حرف القاف

از احوال متقدمین | میر عبدالقادر **قادر** تخلص از باشندگانِ حیدرآباد است بیشتر مرثیہ از و مشہور است، مرد مقدس واہل دل بود، از اوائل مذاق درویشی داشت. چوں عمرش از پنجاہ متجاوز گردید با یکے از مشائخ آں دیار کہ نسب وے بشیخ شہاب الدین سہروردی می پیوست خرقہ پوشید واز دنیا عزلت گزید غفر اللہ لہ ایں رباعی از وست

ہر چند ہمن سب سے اٹھایا ہے ہات — اس پر بھی نہ آزاد کہائے ہیہات
عالم منے ہر ایک یہ کہتا ہوگا — دکھن میں ہے قادر اچھوں در قید حیات

از سلک متوسطین | **قدر** تخلص شخصے بود در زمان محمد شاہ غفر اللہ لہ از تذکرہ میر تقی

معلوم شد کہ مرد او باش وضع از قید مذہب و ملت آزاد گاہے در کوچہ و بازار بنظر می آمد
ایں شعر او بسیار مشہور است چنانچہ مطربانِ ہند اکثر میخوانند ؎

آج آئے ہو تو رہجاؤ سجن رات کی رات　　لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات
عبث تو بکسی اپنی پہ کیوں ہر وقت روتا ہے　　نگر غم اے دوانے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے

غنی بیگ قبول تخلص از مردم کشمیر بود احوال او در تذکرۂ خان آرزو مسطور ست
شاعرِ فارسی بود چون دید کہ ہنگامۂ ریختہ گرم ہست خود ہم بطور خود میگفت **از وست**

حاضری بن محل نہیں کھاتا　　بیگمی ہے پنیر منعم کا

بدھ سنگھ۔ قلندر تخلص آبا و اجدادش دولت بسیار داشتند او بیکے از بتانِ ہند
عاشق شدہ از قومِ خود گسیختہ قلندر روش بر آمد حالا معلوم نیست کہ کجاست طبع موزونے
دارد **از وست** ؎

چھپا ہی مانگ میں دل جاکے اب میں ڈھونڈوں کدھر　　کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات ادھر
قلندر وقت مرنے کے جو یار آیا تو کیا حاصل　　جو اتنی عمر گزری تھی تو یہ بھی دم گزر جاتا

رباعی

جی میں جو قلندر کے کبھی آویگا　　دل اپنے کو چھین تجھ سے لیجاویگا
یہ روز کا تیرے چین برابر و رہنا　　سب طاق او پر دھرا ہی رہجاویگا

نخلِ حدیقۂ **فصاحت** و غنچۂ بوستانِ بلاغت شمع بزم سخندانی چراغ خانۂ نکتہ رانی
ترقی فکرش دائم **شیخ محمد قائم** شاعریست خوشگو شاہینِ طبعش تیز بال و شہباز فکرش
بہ اوجِ کمال، خوبی اشعارش چون حسنِ محبوبان دلپذیر و ربط الفاظش مسلسل مانند
زلفِ خوبان بے نظیر، در اوائل مدتے داخلِ جرگۂ خواجہ **میر درد** ماند آخر بشاگردی
مرزا محمد رفیع سودا قائم گردید، متوطن چاندپور مذنیہ، چون از ابتدائے جوانی در
شاہجہان آباد آمدہ لبسر برد بنا بران محاورۂ او درست گشت، طرزش بطرز طالب

آملی میماند، مثنویہاے بسیار گفتہ وبسے دُرہائے معانی سفتہ کہ کسے کم گفتہ فقیر اورا ندیدہ
اکثر خوبی ہائے وے شنیدہ الحال در سنبھل مراد آباد ہست خدا اش سلامت دارد۔

مثنوی ہجو سرما

سردی اب کے برس ہی اتنی شدید ۔ صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
چرخ کی اطلسی قبا یہ ہمیش ۔ نہیں یہ کہکشاں ہے داناکیش
ان دنوں چرخ پر نہیں یہ مہر ۔ گود میں کانگڑی لئے ہے سپہر
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات ۔ کالے کمبل میں رات کاٹے رات

سر مطلع دیوان

ہر گز نہیں مقدور تری حمد زباں کا ۔ برہان ہی دعوے کی مرے عجز بیاں کا
جب تک کہ ہی تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ ۔ جوں موت کہ نت لازمہ ہی آب رواں کا
جلوہ ہر رنگ میں ہی اُس بتِ ہرجائی کا ۔ یہ پریشاں نظری جرم ہی بینائی کا
چھوڑ تنہا مجھے یارب اُنھیں کیونکر گزری ۔ غم جنھیں آٹھ پہر تھا مری تنہائی کا
عہدے سے اُس صنم کے بر آیا نہ جائیگا ۔ یہ ناز ہی تو ہم سے اُٹھایا نہ جائیگا
کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہی شیخ ۔ کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا
میں کیا کہوں کہ جو کچھ مجھپہ زیر دام ہوا ۔ وہی یہ جانے جو تڑپا نہ اور تمام ہوا
بیدماغی سے نہ اُس تک دلِ رنجور گیا ۔ مرتبا عشق کا یاں حسن سے بھی دُور گیا

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا ۔ آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی نادم ہوں ۔ کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا ۔ پر دیکھو لیا نہ کہیں نام کسی کا
خوباں کی طرف دیکھنے بندا ہوں میں قائم ۔ ملتے ہیں کہیں نام ہے بدنام کسی کا
ہم نے ہر طرح ترے ہجر میں دل شاد کیا ۔ ہچکی گر آئی تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا

کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتمِ قیس کیا یا غمِ فرہاد کیا

میں اس چمن سے اور یہ مجھ سے چمن گیا
لے دل میں اپنے حسرتِ سرو و سمن گیا

شیریں تو ساتھ خسرو کے جوں چاہے کر معاش
پتھر تھا تیری چھاتی پہ سو کوہکن گیا

رووں گا زیرِ سایۂ دیوار بیٹھ کر
جس دن تری گلی میں کہیں ڈاؤن گیا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی من گیا

ہمارے درد دل کے تئیں یہ کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جی سے عاجز ہیں انھوں کو عیش سوجھیں ہیں

دریا ہے پھر تو نام ہی پر یک حباب کا
اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

دل وہیں ہوویگا میرا وہ جہاں ہووےگا
پر خدا جانے وہ ہرزہ کہاں ہووےگا

زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
ہم سحر تک تھے پیچ و تاب میں رات

ق

خوب نکلے ہم اس کے کوچے سے
ورنہ آئے تھے اک عذاب میں رات

لیک خالی سی کچھ لگے ہے بغل
دل گرا شاید اضطراب میں رات

اب تو نہ گل نہ گلستان ہے یاد
اُس کے مکھڑے کی ہر زمان ہے یاد

آہ اے پیرِ چرخ قائم نام
یاں جو رہتا تھا اک جوان ہے یاد

بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر عشق نہیں تو آہ سر کر

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا سو مر کر

یاں کیوں نہ کسی کو آئے افسوس
حالت تو بری ہے جائے افسوس

دیتے تو دیا ہیں دل و لیکن
چارہ نہیں اب سوائے افسوس

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روتے تھے سو خون جم رہا ہے آنکھوں میں

میں مر چکا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لئے
حباب وار تنک دم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثالِ حبابِ آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں
یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

تیرے دامن تلک ہی پہنچوں اور — خاک ہونے سے کچھ مراد نہیں
ہیں کہا عہد کیا کیا تھا رات — ہنستے کہنے لگا کہ یاد نہیں
مجھے اس اپنی مصیبت سے فراغ کہاں — کسی سے چاہوں کہ صحبت رکھوں دماغ کہاں
پاس ہیں پیا تجھ غم کے ہیں اپنی بھی غمخواری نہ کی — جان تجھ سے گزرا یہ ظاہر دل کی بیماری نہ کی
دم بدم اس رنجش بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ — دل دیا تجھکو تو کچھ میں نے گنہگاری نہ کی
بعد خط آنے کے اُس سے تھا وفا کا احتمال — لیک اس تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی
دل مرا دیکھ دیکھ جلتا ہے — شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے
ہمنشیں ذکرِ یار کر کچھ آج — اس حکایت سے جی بہلتا ہے
گندمی رنگ جو ہے دنیا میں — میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے
ہاں سدا تیغِ بلا وقفِ جگر ریشی ہے — تجھے کیا جان مری عالمِ درویشی ہے
اپنے مذہب میں قرابت نہیں اجداد کی شرط — تجھے نسبت ہو جسے اُس سے ہمیں خویشی ہے
ناز و ادا کہیں کہیں عجز و نیاز ہے — کس کس طرح سے یار مرا جلوہ ساز ہے
جب میں دیکھا ہے تو اس دل کو غمگین دیکھا ہے — یہ بنا چاہ و محبت کا نہیں دیکھا ہے
حسرتِ دل کو مری سمجھے وہی خستہ جسے — یار نے آ کے دمِ بازپسیں دیکھا ہے
گو کہیں یار بلایا ہے وہ اب آتا ہے — پر آئے میں تو سمجھتا ہوں وہ کب آتا ہے
شام ہوتی نہیں اک دل پہ بلا ہوتی ہے — صبح ہوتی نہیں اک جی پہ غضب آتا ہے
مر جائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے — جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
شب گریہ سے وابستہ مری دلشکنی تھی — جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی
مردن دشوار ہیں یہ جان بے تقصیر ہے — حسرتِ دل سو طرف سے اس کی دامنگیر ہے
گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے — کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
کسے گلگشتِ گلشن کی ہوس ہے — اسیری کا جگر پر داغ بس ہے

نہ پوچھو مجھے گلشن کی حقیقت
برس گزرے کہ میں ہوں اور قفس ہے

زاہد درِ مسجد پہ خرابات کی تونے
جی بھی یوہیں چاہے تھا کرامات کی تونے

ایدھر تو میں نالاں ہوں ادھر غیر سے جا میں
اب کس سے مرے جان ملاقات کی تونے

قائم رہِ پرخوف ہے اور دور ہے منزل
کب پہنچے گا ظالم جو ہمیں رات کی تونے

پھرے زمانہ جہاں تک ہی ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

فلک ولائے تو ہے ہم کو لیک یہ ڈر ہے
کہ بُلبلا سا کہیں آپ ہی بہا نہ پھرے

مرا جی تجھکو گو پیارا نہیں ہے
پر اتنا بھی تو ناکارا نہیں ہے

نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

بہارِ عمر ہے قائم کوئی دن
اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنسکر

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجھکو نہ منہ دکھائیں گے ہم

جو شرط ہے دوستی کی پیارے
جیتے ہیں تو کر دکھائیں گے ہم

ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا
ٹک دور سے دیکھ جائیں گے ہم

مجھسا کوئی جہان میں آشفتہ سر نہیں
ہے یوں تو زلفِ یار بھی پر اس قدر نہیں

اے دل برنگِ غنچہ نہ مل گلرخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

اتنی اے دیدۂ و دل مجھپہ نہ بیداد کرو
دیکھیں کیا ہووے خدا کو تو ٹک اک یاد کرو

دل مرا چھین یہ کہتا ہے وہ دلبر قائم
جی جہاں چاہے تمھارا مری فریاد کرو

کبھی دکھاکے کمر اور کبھی دہاں مجکو
نپٹ تنگ کیا تونے اے میاں مجکو

تو اتنے واسطے اے باغباں نہ کاوش کر
بہت ہے سایۂ دیوار گلستاں مجکو

دامانِ گل تلک ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیفِ سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے

قائم میں عندلیبِ خوش آہنگ تھا ولے
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہمقفس مجھے

کیا جانئے ہم کہاں ہیں اور دین و دل کدھر ہے
عالم میں تفرقے کی کس کی کسے خبر ہے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی کچھ رکا جاتا ہے دل گرد سے ویرانے کی
آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی
بتوں کی دید کو جاتا ہوں قدیر بیں قائم مجھے کچھ اور ارادا نہیں خدا نکرے
ہر طرف وہ نگاہ لڑتی ہے کبھی ادھر بھی آن پڑتی ہے
کیا ہی مکھڑا ہے وہ کہ جس کے حضور آئینے کی قلعی اُدھڑتی ہے
قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر دیکھیں کس کس سے یاں بگڑتی ہے
اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے
میں جاتا ہوں کعبے کو اب دیر سے بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتی ہیں جب بالڑیں یکایک کھل گئیں دونو طرف سے دل کی گلجھڑیاں

قدرت بلند مایہ و قوی پایہ درویش خصلت میر قدرت اللہ **قدرت** مردیست از متوسلانِ میر شمس الدین **فقیر** رحمہ اللہ، درویش وضع خلیق طبع، رتبۂ قدرتش بہ رفیع شیوۂ معانیش بدیع، سمندِ نظمش در میدانِ فارسی و ہندی چالاک و حیست و تصویر بے نظیرِ معانیش در استخواں بندی الفاظ درست، بندہ ویرا یک بار در مشاعرہ بہ لکھنؤ دیدہ ام اگرچہ از سلک متوسطین است لیکن شہرۂ اشعارش در متاخرین اشتہار یافتہ دیوانش بنظر نیامدہ مگر ہمیں غزل کہ مشہور عالم است با چند بیت دیگر بنگارش می آرد۔ شنیدہ ام کہ میر مذکور الحال در مرشدآباد استقامت دارد، اصلاحِ سخن ظاہرا از میر شمس الدین فقیر گرفتہ است، مرد خوشے است حق تعالیٰ سلامت دارد از وست

سیرِ چمن کی فرصت اے بلبلو! کہاں ہے جو گل نظر پڑے ہے سو غارتِ خزاں ہے
بیت الحزن میں شب کہ ترا انتظار تھا کھٹکا ہر ایک در کا مرے جی کے پار تھا
اہل عدم کو رمزِ فنا کا تھا کب شعور سرمشقِ رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا
تڑپوں ہوں خاک و خوں میں پڑا جس کے وار سے قدرت میں کیا کہوں یہ وہی شہسوار تھا

تشنہ لب مرتا ہے نت موجِ دمِ شمشیر کا
اے غرورِ ناز کچھ بھی فکر اس نخچیر کا

کون پیمانے سے قدرت کو نکالے کیا مجال
ہو خطِ پیمانہ سرخط اُس کی تقدیر کا

برپا ہوئے سو فتنے مرے کشورِ جاں سے
کون انکھڑیاں ملتا یہ اٹھا خوابِ گراں سے

جوں بید مری آہ کبھی ہو نہ زمیں گیر
یہ سرو لگا ہے چمنِ کاہکشاں سے

منظور اگر آنکھ سے ہے کچھ تو تری دید
مقصود اگر ہے تو ترا نام زباں سے

کس کی نیرنگی یہ شمع پردۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

ایک ہی پردے کی گر سمجھو تو ہے یہ سب الاپ
گر صدائے بانگ ہے ور نغمۂ ناقوس ہے

صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے
اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے

ق

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم کیا ہی سرزمینِ طوس ہے

گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آوازِ طبل اودھر صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام ہوتا ہے گلگوں کا دَور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز کا محبوس ہے

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دکھلا کر مجھے کہنے لگی
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و مکنتِ دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھے تسبیح ریا
آج رہنِ جامِ مے یہ خرقۂ سالوس ہے

حسرت اے صبحِ چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
فرد اے شامِ غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

جوں نقشِ قدم ہیں ترے وہ خاک نشیں ہم
تا مٹ نہ چکیں آپ سے چھوڑیں نہ زمیں ہم

نسبت ہے ہماری تری جوں سایہ و خورشید
جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہے نہیں ہم

سینہ اُس کا ہے دل اُس کا ہے جگر اُس کا ہے
تیرِ بیداد جدھر رو کرے گھر اُس کا ہے

از احوالِ متاخرین | قرین تخلص، از مردم کشمیر جنت نظر شخصے ست از شاگردانِ میاں حسرت، طبع موزونے دارد بندہ او را یکبار دیدہ ام بہ فقیر خانہ روز مشاعرہ آمدہ بود نومشق ست سلامت باشد از وست

پیارے بے وفا یا با وفا ہو | غرض تم دل کے لینے کو بلا ہو
ہمارے مرنے کا وہ شوخ غم کرے نہ کرے | پہنچکے نعش پر آنکھوں کو نم کرے نہ کرے
کہا تو ہے کہ میں آونگا تیرے گھر میں قرینؔ | غرورِ مستی سے دیکھیں کرم کرے نہ کرے

از تازہ گویان زبان میر جیون تخلص بہ قربان جوان لیست سالہ سپاہی پیشہ بود درین سن و سال بکمال خوبی حرف میزد از تلامذہ مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ تعالےٰ روزے در فیض آباد فوج فرنگی صف کشیدہ میرفت این نشانۂ تیر قضا با یکے از رفقا ناگاہ در میانش افتاد آن سگان بعادت خود غوغا نمودہ نا سزا گفتند ہر چند این گرفتاران بلائے ناگہانی بعجز و انکسار پیش آمدہ عذر خواستند کہ ناوانستہ ہدام افتادہ ایم داد بد ہید غرض آن مغروران ہیچ پروا نکردہ زبان بدشنام کشادند بعدہ از درد دل بیمار اقتضائے غیرت ناچار تن بقضا دادہ دست بقبضہ شدند آخر یکے زخمی شد و این جوان از تفنگ سنگین کافران سنگدل شہید گردید ع آفرین باد برین ہمت مردانۂ تو۔ کہ بجانِ خود را قربانِ آبرو کرد خدا بخشش بیامرزد از وست

یوں بندِ قبا کھل گئے جو آن میں گل کے | کیا پھونک دیا تو نے بیابان میں گل کے
کیا کچھ دل بلبل پہ کرے دیکھئیے یہ عشق | سو چاک دیئے ہیں لئے گریبان پہ گل کے

قانع تخلص نبیرۂ ناصر خان است شعر ہندی و فارسی ہر دو میگوید اصلش از شاہجہان آباد دانستہ ام ید تے در لکھنؤ اقامت دارد در سے بخدمت مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ آمدہ بود فقیر ہم در آنجا نشستہ بود از چشمہا لیش وحشت پیدا اغلب کہ سودائے کسے داشتہ باشد از شاعران نیست، طبع موزونے دارد سلامت باشد از وست

شعلہ اگر اُٹھے دلِ پُر اضطراب کا　　جل جائے سوجگہ سے جگر آفتاب کا

حرف الکاف

میاں کمترین از ایہام بندان، در سلک متوسطین مردے بود نوکری پیشہ در سرکار نواب عماد الملک سرفراز بود۔ موافق استعداد خود میگفت این چند شعر از شہر آشوب او بنگارش می آید[1]

شاہ کامل۔ ہم از سلک متوسطین درویشے بود معاصر میاں آبرو، کامل تخلص می نمود، اوائل نوکری پیشہ بود او اخر ترکِ لباس کرد این دو شعر از و بگوش خوردہ ؎

وعدہ کیا تھا صبح نہ آیا وہ اب تلک　　کھینچونگا اس جفا کو نجانوں ہیں کب تلک

جب اُٹھ چلا بغل سے تو پوچھا ملے گا کب　　کامل کو کھول منہ پہ بتایا کہ شب تلک

شیخ لطف اللہ کامل تخلص از شاگردانِ خاکسار نیز از متوسطین شخصے بود از وست ؎

وہ مرا بے مہر قاتل اس قدر خونریز ہے　　کانپتا نکلے ہی جس کے ڈر سے یار و آفتاب

میر علی نقی کافر تخلص، جوان محمد شاہی، از سلک متوسطین است از مدتے بطرف مرشد آباد رفت بسیار خوش رو و ظریف طبع بود، اول فارسی می گفت تسکین تخلص می کرد باز براں ہم تسکین نیافت جنون تخلص کرد چوں در خدمت جاوید خاں خواجہ سرا نوکر شد ریختہ گفتن آغاز کرد۔ روزے قبلہ گاہِ این فقیر از راہِ ظرافت باوے فرمودند کہ شما فارسی و ہندی گفتید الحال عربی بگوئید و ملعون تخلص کنید بریں سخن بسیار خندید، وجہ تسمیۂ او اینست کہ تخلص فقط کافر میکرد ہر شعرے میخواند بر دلش میخورد

---

[1] چونکہ اشعار خلاف تہذیب تھے لہذا خارج کردیئے گئے

میگفت کہ ایں شعر نیست بلکہ ایں ٹپکہ است ازیں جہت کافر ٹپکہ درشعرا مشہور گردید غرض عجب شخصے بود خدایش بیامرزد ؎

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے
کافران انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھگڑے
بتوں کے تہیں اس قدر مانتا ہے
یہ کافر مزاجی خدا جانتا ہے

رباعی

کیا پھرتی ہے میکدے میں مٹکی مٹکی
زاہد عابد سے دور پھٹکی پھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر
یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

شاعر زبردست و مشاق قدیم میر محمد حسین المتخلص بہ **کلیم** جوان محمد شاہی گندم گون و دراز قد بود با میر تقی قرابت قریبہ وارد درفن شعر و شاعری استادِ سخن بحر ذخار طبعش در نثر و نظم موجزن۔ رسالہ در عروض و قافیہ ہندی تصنیف نمودہ و فصوص راکہ کتاب عربی است بزبان ریختہ ترجمہ کردہ کتابے در نثر ہندی نیز ایجاد نمودہ چنانچہ یک فقرہ او بیاد ماندہ قلمی مینماید، در وقتیکہ احمد شاہ را میل در چشم کشیدند دراں مقدمہ میگوید **فقرہ** کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر، آج کے دن ہو بیٹھے ہیں اندھے ہو بصیر، ایسی دولت سے زنہار زنہار، "فاعتبروا یا اولی الابصار" باوجود ایں ذرہ قوتِ شاعری نمک در کلام نیافتہ بنابریں اشعارش اشتہار نیافت۔ غرض شخصے خوب بود در شاہجہان آباد بہ رحمت الٰہی پیوست۔ خدایش بیامرزد، ایں چند بیت **منتخب از وست** ؎

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
عرق ہے مت پڑے یا گلاب ٹپکے ہے
عجب ہے مجکو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہے
سب تجھے بن آنکھوں میں کیونکر رکھوں کہ ہو برسات
پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے
بوسہ بھی چیز ہے اے مری جان اس قدر
جس پر ہو ہم سے برا مان اس قدر
ہم گم ہوئے پید ضعف سے جوں بو میان باغ
پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل ۔۔۔ کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

تم جام و دپیا رے کیوں کر کریں نہیں ہم ۔۔۔ خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے وہیں ہم

تو یار ملکے ہم سے جب ایک ہوگیا ہو ۔۔۔ ق کس کو بعید جانے کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو ۔۔۔ یا تم ہیں سب ہو ہم ہیں یا ہینگے سب ہیں ہم

نے و طنبور میں تو شور یہ معلوم اے مطرب ۔۔۔ کسی کا دل ہوا ہے (راہی) شاید اسی کی وی میں انالاں

عمرِ رفتہ کا پتا پایا کھوج ہر گز اے کلیم ۔۔۔ آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

غرورِ حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے ۔۔۔ غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

بات اُس کی زبان پر آئی ۔۔۔ پھر خرابی جہاں پر آئی

پیر کیوں ہوگیا ہے اتنا کلیم ۔۔۔ کیا بلا اُس جوان پر آئی

پیری کی بھی سیر کر گئے ہم ۔۔۔ اس پل سے بھی گزر گئے ہم

جوں اشک کہ ہستی اور عدم میں ۔۔۔ بس ایک قدم تھا دھر گئے ہم

وہاں غصے ہوئے رقیب پر تم ۔۔۔ یہاں مارے ادب کے مر گئے ہم

تو نہ آیا باغ میں تشنا دغم سے غم ہوا ۔۔۔ طوقِ قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے ۔۔۔ جادہ آتا ہے نظر جوں زلفِ کج برہم ہوا

رباعیات

گلرو تو چمن میں اپنی سے نہ گیا ۔۔۔ یہ دل بھی کلی سے بیکلی سے نہ گیا

جو کوئی گیا دل کو گیا چھوڑ یہاں ۔۔۔ دل سے تو کوئی تیری گلی سے نہ گیا

دیگر

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی ۔۔۔ تیرے ہی قدم تلے گئی رل مہندی

ہیہات کہ کس طرح کا ہوگا وہ ہاتھ ۔۔۔ جس ہاتھ سیتی داغ ہوئی گل مہندی

لالہ کاشی ناتھ متوطن قصبہ ٹیالہ پسر نوندہ رائے بٹیکار دیوان تن، طبع موزوں

وارد از وست ؎

مجھ دل کا اے طبیب سمجھکر علاج کر — مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار دیکھنا

کھنجن زنے گزشتہ است معلوم نیست کہ از کجاست، ہمیں دو شعر او شنیدہ شد

عشق میں راحت ہو یا آزار ہونا ہو سو ہو — کیا کریں اب یہ ہے ناچار ہونا ہو سو ہو

کر گریباں چاک کھنجن چل بیاباں کی طرف — دیکھ لے یہ بھی فراک بار ہونا ہو سو ہو

حرف الکاف فارسی

دریں فصل از متقدمین و متوسطین بنظر نیامدہ مگر از سلک متاخرین چنانچہ شاعر شیریں بیاں میاں نذر علی خاں المتخلص بہ **گماں** مردیست سپاہی پیشہ از یاران کوکہ خاں فغاں اصلش از شاہجہان آباد است، مرثیہ و منقبت و غزل ہمہ میگوید فکر خوبے دارد روزگار موافق زمانہ موافق ست در فیض آباد بسر میبرد از بسکہ مشتاق است در روانیِ طبع دارد کلامش خالی از اثر نیست۔ خدایش بسلامت دارد از وست ؎

جس دم تو مجھسے آکے ہم آغوش ہوگیا — غم دو جہاں کا دل سے فراموش ہوگیا

قتل کرتی ہے ہمیں یہ ابروئے خمدار کج — کاٹ دونا کرتی ہے ہوتی ہے جو تلوار کج

راست کہہ کس نے کیا تجکو گماں سے بدگماں — اس سے کیوں کرتا ہے تو ہر وقت اب گفتار کج

دل پھنسا جب سے تری زلفِ پریشان کے بیچ — تب سے آرام نہیں جان کسی آن کے بیچ

مہربانی سے کبھی تو نے نہ کی مجھسے بات — جی نکل جائیگا میرا اسی ارمان کے بیچ

گزرے ہے تیری یاد میں دن رات بے طرح — آ کر بنی ہے جی پہ مرے بات بے طرح

جاتی ہے مفت ہائے یہ فصلِ بہار حیف — ہے دور ہم سے یار ہمارا ہزار حیف

مدت سے ہو رہا تھا ہرا داغ داغ دل — اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

فصلِ گل سے پھر ہوا اب گرم بازارِ چمن — مشت پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن

کون ہوویگا وہ دن جو ہم قفس سے چھوٹ کر　　جا کے دیکھیں گے الٰہی پھر وہ دیوارِ چمن
دیکھتا ہوں جہاں بتاں کو میں　　دور ہی سے سلام کرتا ہوں
مر جاؤں گر کہیں تو اپنی زباں سے مجکو　　خاطر عزیز تیری ہے اپنی جاں سے مجکو
گل بھی شبنم سے نہ دیکھے یوں سحر بھیگے ہوئے　　دیدۂ عاشق ہیں خوں سے جس قدر بھیگے ہوئے
سر جھکایا میں جو قدموں پر تو غصے ہو کہا　　مت رکھ اپنے چشم میرے پاؤں پر بھیگے ہوئے
مرا دل دیکھنے کو جس ستمگر کے ترستا ہے　　مجھے دیکھے ہی جب روتے تو وہ بیدرد ہنستا ہے
واسطے جس کے سبھی مجکو برا کہتے ہیں　　وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں
ہزار افسوس تو اپنا ہمیں بدخواہ جانے ہے　　میں جیسا ہوں ترا بندا مرا اللہ جانے ہے
تری یہ تیغ میاں کاش مجپہ چل جاوے　　چھٹوں عذاب سے جھگڑا مٹے، خلل جاوے
میں اس لئے نہیں کہتا ہوں اپنی حالتِ دل　　مبادا جی میں سمجھکر کہیں بچل جاوے
مجھے تو زیست بھی دشوار ہوگئی ہے اب　　خدا کرے کہ گماں دل مرا سنبھل جاوے
اس بن نہوتے ہم ترے ہمدوشِ نقشِ پا　　ل خاک میں ہوئے ہیں غم آغوشِ نقشِ پا
اس رشک سے کہ کوئی نپاوے ترا سراغ　　میر اغیار ہے ترا روپوشِ نقشِ پا
ل سے سودائے بتاں تھا مجھے معلوم نہ تھا　　نفع میں جی کا زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
کس صفائی سے ترا تیرِ نگہ تھا چھوٹا　　زخم کا دل پہ نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
جستجو جسکی میں کرتا تھا خدائی کے بیچ　　دل ہی میں اس کا مکاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
قتل کر مجکو مری نعش پہ بولا قاتل　　ہائے یارو یہ گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

گداز تخلص از متاخرین است از شاگردانِ میاں حسرت، سپاہی پیشہ گاہ گاہے درلکھنؤ بنظر می آمد الحال معلوم نیست کہ کجا است ازوست ؎

تجھسے گر آئیے کہاں ملیئے　　اپنے ملنے کی تو بتا صورت
جب کہا میں کہ تجپہ عاشق ہوں　　مجکو اپنی ذرا دکھا صورت

غصے ہو کر لگا یہ کہنے گداز ... مجبہ تو ہوگا مبتلا صورت

خواہی وہ دلداری کرے خواہی دل آزاری کرے ... دل ہی نہیں باقی رہا جو نازبرداری کرے
مدہوش چشم اس کی کریں اور زلف کھینچیں جال میں ... کیونکر رکھے دل کو کوئی کس طرح ہشیاری کرے

گریاں، **میر علی امجد** ولد میر علی اکبر، جوانے است شایستہ متوطن شاہجہان آباد اوائل اصلاح از میاں قدرت و اواخر از میر ضیا سلمہ اللہ گرفتہ، سپاہی پیشہ است اگر روزگار رفصت میدہد شوقے بسخن دارد سلامت باشد از وست ؎

سُنے قصہ مرا جو یکدم کوئی درد و محبت کا ... نہ لیوے زندگی بھر نام پھر ہرگز محبت کا
مجھے جب دیکھنا تب ہاتھ سے مکھڑا چھپا لینا ... نکالا طور اُس نے اور ہی صاحب سلامت کا
دیکھے تو جسے نگاہ بھر کر ... مر جاوے وہیں وہ آہ بھر کر
سبک روحی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے ... کہ دوشِ شمع پر رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

حرف اللام

لطفی دکھنی، لطفی تخلص از قدیم است و از است ؎

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اٹھا جی ... دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے
میں عشق کی گلی میں گھایل پڑا ہوں تسپر ... جوبن کا ماتا آکر مجکو کچل گیا ہے

حرف المیم

احوال شعرائے قدیم | ابو القاسم مرزا تخلص از مقربان ابو الحسن تانا شاہ رحمہ اللہ بود۔ چوں فوج ہندوستان آں ملک را تاراج کرد ایں عزیز بمقتضائے غیرت لباس فقیری پوشیدہ از جہاں عزلت گزیدہ در کنج تنہائی بہ عبد اللہ گنج کہ در حیدرآباد مشہور است بقیہ عمر بیاد الٰہی بسر برد و ہماں جا مدفون گشت۔ خدا ایشاں بیامرزد از وست ؎

عارض نہیں چندر کا ترے گال سوں اچھا سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا دہ نونہال کدھرٹ گئے چمن لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

محمود بیگ دکھنی از قدیم است متوطن بیجاپور معاصر فخری بلکہ قرابتے نیز باوے داشت

لوگاں کہیں پتھر سوں کچھ سخت نہیں ولیکن جو کوئی پیا سوں بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

ملک دکھنی او ہم ازاں دیار بود از وست ؎

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی اوپر یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

موسوی خاں فطرت و موسوی تخلص شاعر فارسی بود، فطرت و موسوی دو

معز ہر سہ تخلص داشت در زمانِ عالمگیر پادشاہ، یک شعر ریختہ ہم از وست ؎

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

دو چیز سہد مرا موسوی بر در گور صدائے نبکری و میر پاؤں پروں کی چھو

محو، تخلص از شاعرانِ دکھن بود لیکن از کلامش معلوم می شود کہ با مردم ہندوستان

تربیت یافتہ بود از وست ؎

تم ہر کسی سے وعدۂ دیدار مت کرو اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

مہر علی شخصے بود از مردم دکھن درکمال ظرافت و خوش طبعی- پسر خطیب بادشاہ

معاصران خود را بہ طعن و استہزا می رنجانید؛ با ہمہ کس بہ تمسخر پیش می آمد- چنانچہ نقل است

روزے در مجلس مذکورِ شعر بود، شخصے شعرے خواند، پدرش معنی او بطورے میگفت

و ایں برعکس او- چوں بحث درمیان آمد ایں عزیز با پدر خود گفت کہ صاحب شما نمیدانید

(جانے ۔۔ [1] ۔۔ خطیب کا) چوں پدرش خطیب بود ایں مَثَل بر موقع افتاد

خدا لیش بیامرزد از وست ؎

موتی دریا میں اپکے نہیں کان لگتے ہوویں کہ تمھن کے وو نیا گوشش کے ہمسر ہوویں

---

[1] ضرب المثل کا لفظ خلاف تہذیب سمجھ کر خارج کر دیا گیا ہے

ازاحوال متوسطین | خواجہ قلی خاں **موزوں** تخلص صوبہ دار قلعۂ برہانپور
درعہد بہادرشاہ بود این شعر بنام او دیدہ شد ؎

موزوں نے راہِ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت یہ دور نجانوں کرے گا کیا

میر میران سید نوازش خاں خطاب داشت ازوست ؎

آہ گر باغ میں وہ سروِ خراماں گزرے
اشکِ قمری سے گلستان میں طوفاں گزرے

رائے آنندرام مخلص از شاعرانِ فارسی است شاگرد مرزا بیدل، وکیل نواب اعتماد الدولہ، در آخر سن شعر خود را پیشِ خان آرزو مے نمود، احوال او در تذکرۂ خان مذکور مسطور است گاہ گاہے بندرت شعر ریختہ نیز میگفت از آزار ضیق النفس در گزشت ازوست

آنے کی دھوم کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

میاں شاہ فرزل مرد فقیرے بود حافظ قرآں، مردمان آں زماں از سبب فضل و کمال احترامش می نمودند۔ فکر الفاظِ تازہ میکرد ؎

سیمتن جس کا نام ہوتا ہے — اُس کو سونا حرام ہوتا ہے
اسم اعظم جو چاہتے ہو تم — سو فرزل کا نام ہوتا ہے
من ہرن میرا فرزل رم گیا — دشمنوں کے من کی چیتی ہو گئی
اے فرزل ناز کا گھوڑا کُدا — شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مضمون گلشنِ طبعش از فیض رشحات ابر سخن تازہ و عندلیب خاطرش بر ثناخسار بیاں بلند آوازہ، در بوستانِ سخن سروِ موزوں میاں **شرف الدین** المتخلص ۔

مضمون مردے بود نوکری پیشہ متوطن جاجمو کہ قصبہ ایست متصل اکبر آباد، شروع جوانی از اکبر آباد در آمدہ بشاہجہان آباد در زینت المساجد استقامت ورزید ہرچند کم گو بود لیکن خوش گو۔ از اولاد شیخ فرید گنج شکر چنانچہ خود گفتہ ؎

کریں کیوں نہ شکر لبوں سے مرید کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

اصلاح سخن از خان آرزو میگرفت بسبب نزلہ دندانش ہمہ افتادہ بود۔ خان مذکور او را شاعر بیدانہ میگفتند۔ نقل است کہ میاں مضمون سفارش آشنائے برائے روزگار پیش نواب عمدۃ الملک نمود، نواب والاجناب قبول کرد۔ آن عزیز ہمیشہ در کار و بار حاضر میماند۔ چنانچہ نواب را گمان آن شد کہ تنخواہ میباید، و این نوکر کم زبان دانست کہ شاید من نوکر شدہ ام۔ چون مدت دہ ماہ گذشت صورت این حال بمیان مضمون تقریر نمود او ہماں فی البدیہ این شعر گفتہ پیش نواب عمدۃ الملک فرستادند۔ آن نواب قدر شناس ہماں وقت تنخواہ از تاریخ ملازمت حساب نمودہ بخشید ؎

عرض حال اپنے سے ہیں اہل شرافت بے نصیب نہیں سخن رکھتے زباں کے بیچ گویا یہ نجیب

غرض عجب عزیزے بود آخر ہماں جا در مسجد بتقضائے الٰہی فوت شد خدا ایش بیامرزد

این اشعار از وست ؎

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

ہوئے ہیں ہر مژہ سیتی رواں آنسو ڈھلک دریا کہیں کیونکر نہ چشموں کو ہری مردم پلک دریا

افسوں مار جھٹ پٹ لیتے ہیں دل کو اٹکا کن ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا

چھپکر مخالفوں سے اس طرح آ پلنگ پہ کوئی سنے نہ پایل تیرے قدم کا کھٹکا

نہ بیٹھ کے فتنہ قد و قامت سے ہے ہے سکے پھر دیکھنا قیامت ہے

ایک تو تھا ہی وہ مہرو خود پسند | ہو گیا دیکھ آرسی کے تئیں دو چند
ہنسی تیری پیارے پکھڑی ہے | یہی غنچے کے دل میں گھڑی ہے
میکدے میں گر سراسر فعل نامعقول ہے | مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے
کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج | ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج
نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ | ہوا ہے خون ہمارا آکے لبریز
چلا کشتی میں جب آگے سے وہ محبوب جاتا ہے | کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے
مرا یہ اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھمتا | کسی بیتاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے
اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ | کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ
مضموں تو شکر کر کہ ترا نام سن رقیب | غصے سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

میرزا مظہر از فصحاے زمان و بلغاے دوران مرزا مظہر جان جاناں المتخلص بہ مظہر شاعریست مقدس و بزرگ، اصلش از اکبرآباد است، خوش تقریر بمرتبہ البتہ کہ در تقریر و تحریرش گنجینہ یقین و حزین شاگردان ادینہ بین نثر نفیسش نزدیک تو رسیدہ باشد الحال بعزت تمام بمحل مرادآباد و استقامت دارد و بہ انجا وعظ میفرماید اکثر اہل سنت مرید او شدہ اند خدا ایشان سلامت دارد۔ از وست ۵

خدا اسکے واسطے اس کو نہ ٹوکو | یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
جو ہاں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر | بھلا تھا یا برا تھا نہ و کچھ تھا خوب کام آیا
ہنسنے کی ہی تو یہ اور دھوم مچاتی ہے بہار | ہائے کچھ جانا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
نرگس و گل کی دیکھ کلیاں کھلی جاتی ہیں سب | پھیر ان خوابیدہ فتنوں کو جگاتی ہے بہار
مرتا ہوں زانی گل دیکھ ہر سحر | سورج کے ہاتھ چوری و نکہت صبا کے ہاتھ
آتش کہو شرار کہو کوئلا کہو | مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کہو
چلی اب گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا | نچھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

مرا جلتا ہے جی اس بلبل بیکس کی غربت پر　　　کہ جن نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

آج مت رنگ حنا سے کف پا لال کرو　　　لے بتاں اس دل پرخوں کو پامال کرو

میر ید اللہ والد میر حمزہ علی رند کہ پیشتر مذکور شد جوان محمد شاہی بود تخلص نیز کرد۔
گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت و باشعرا بسیار ربط داشت۔ در علم موسیقی نیز مہارتے
پیدا کردہ بود، خیال نعمت خاں برادرست میخواند از وست ؎

ایسا نہیں وہ شوخ جسے گھر کوئی پا لے　　　پر مجھ سا نہو وے نہ اُسے ڈھونڈ نکالے

اشک آنکھ سے دل ہاتھ سے جی تن سے چلا جائے　　　اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

کرتے تو ہیں گھر دل پہ بتاں کعبۂ دل میں　　　سب خوبیاں ہیں پر ہی یہ خدا کام تو ڈالے

شیخ محمد مراد مراد تخلص در سلک متوسطین شخصے گذشتہ است از وست ؎

جہاں لب یوں ہیں تمہارے اور آئی ہے بہار　　　وقت ہے ساقی اگر جام میں صہبا کیجے

منعم تخلص برادر بزرگ میاں محمد قائم، از مشاہیران نیست لیکن شعر پختہ دار
میگوید از کلامش پختگی ظاہر است از وست ؎

بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز　　　دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

آنکھوں میں کس کے پائے نگارین کا نقش ہے　　　ٹپکے ہی جاتے اشک جو رنگ حنا ہنوز

تصویر اس کی کھینچ کے ناز و ادا کے ساتھ　　　نازاں ہو اپنے آپ پہ دست قضا ہنوز

لوہو سے عاشقوں کے گلی لالہ زار ہے　　　منعم وہ طفل کرتا ہے مشق جفا ہنوز

مرزا محمدی برادر کلاں مرزا فرید ؎

پلنگ پر ایک رات آ من ہرن سو　　　ہمارے من کا جیتا بھی کبھی ہو

مرزا مہدی نام شخصے بود از وست ؎

مرا احوال تن فسردہ دروں ہے　　　وہ اپنا کھو دنا پتھر کا کھوسے

سید امام الدین خاں ولد سید معین الدین خاں سرحد کی رسالہ دار شاہی بود

دروقت محمد شاه عفراللہ لہ۔ او ہم تذکرۂ مختصر معاصرین خود نوشته است احوالش معلوم نیست ؎

جب سے سنی ہے اپنے فصل بہار آتی — گلشن کے بیچ بلبل بھولی نہیں سماتی
جو تجھے گلعذار جانے ہے — اپنے دل کو بہار جانے ہے
آکے لینا قرار زلفوں میں — یہ تو اپنے قرار جانے ہے
گر برق تجلی وو ٹک اک جلوہ دکھاوے — تب بھر کے نظر دیکھنا سب کا نظر آوے
تم سب یہیں ہوتے ہو بغل گیر پیارے — معلوم نہیں میری کب امید بر آوے
دل داغ سے گلشن ہیں نین اشک سے دریا — ہر جا پہ ترے عشق ہے ظالم جدھر آوے

میاں صلاح الدین عرف لکھن مشہور بہ پاکباز، لکھن و پاکباز، ہر دو تخلص داشت پسر شاه کمال نبیرۂ شاه جلال قدس سرہٗ تخلص بود گوشه نشین از سلک متوسطین جوانان محمد شاہی متوطن شاہجہان آباد، اکثر بہ ورد و وظائف مشغول بود۔ شنیده ام که در لکھنؤ آمده بر سوہنا و لکھن که قوال بچہ مشہور اند نظر الفت داشت عاشق و معشوق ہر دو ہمنام گویا خود بر خود عاشق بود چنانچه در عشق او خود گفته ؎

بہیں ندیاں مرے آنسو سے جو میں ہجر میں رویا — کہے ہے ساری بستی ہائے لکھن نے ہمیں کھویا
جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں — تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں
نہیں یوسف کی گو گرمی بازار ہنوز — دوڑ پھرتی ہے زلیخا کی خریدار ہنوز

راجہ رام نراین صوبہ دار عظیم آباد، موزوں تخلص از شاگردان شیخ علی حزین۔ صاحب دیوان فارسی بسیار خوش گو، آشنا پرست و سپاه دوست بود، شعر ریختہ کم گفتہ بلکه نگفته مگر در وقتیکه خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتاده بود فی البدیہہ این شعر مشہور اند از خبر داران خبر فی رسید و مبلغ است ہمین شعر از و بیادگار ماند ؎

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی — دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

شیخ محمد محسن المتخلص بہ محسن جوانے است بکمال علم و حلم از اقربائے شیخ سراج الدین علی خان آرزو برادر زادہ میر محمد تقی، اصلش از اکبرآباد است تربیت در صحبت خان مذکور یافتہ در علم شعر مہارت بسیار دارد و الحال در سرکار نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر سرفراز است از سبب تکلیفات زمانہ مدتے شدہ مزاجش راغب بایں طرف نمیشود در اوائل آنچہ گفتہ ہماں گفتہ پارہ ازاں نگارش می آرد

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کیا کروں
اک دل بساط میں تھا سو اسکو بھی کھو دیا

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا
ہر اک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی ہی اپنی خبر نہیں

جاں بلب ہوں میں نکلتی ہے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے ارماں کہیں

مرا رنگ رو اسقدر زرد ہے
کہ یاں زعفران زار بھی گرد ہے

یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی
تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کو

ٹک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں
پھرے ہے تسپہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں

نہ پوچھ دختر رز کی تو مجھ سے کیفیت
لیے ہی جاتی ہے دل یہ چھنال آنکھوں میں

رباعی

جب تخم محبت اپنے دل میں بویا
دین و دنیا سے ہاتھ ہم نے دھویا
اس عشق کا ہووے خانہ ویراں یارب
دونوں عالم سے ان نے ہمکو کھویا

میر شعرائے ہندوستان و افصح فصحائے زمان شاعر دلپذیر و سخن سنج بےنظیر میاں محمد تقی المتخلص بہ میر، رفعت رواق کاخ بیانش از طاق سپہر برتر و گوہر کان ضمیرش از جوہر مہر عالی گوہر، فکر عالیش در عین خوش آئی و طبع روانش بنہایت شادابی، چراغ نثرش روشن و ساحت نظمش گلشن، شعرش چون قطرۂ خوشاب و انداز سخنش بحباب، صیقل ذکائے او زنگ

زُلالِ آئینۂ خورشید بیش ضیائے و روئے رخشانِ ماہِ سفید، از اوستادانِ صاحب قدرتست، طرزش مانا بطرزِ شفائی، برادرزادۂ سراج الدین علی خاں آرزو، ہم از شاگردانِ اوست، متوطنِ اکبرآباد، جوانِ محمد شاہی، الحال در شاہجہاں آباد است، بمن او قربتِ صحبت رسیدہ، تذکرۂ متقدمین و معاصرین از تالیفِ او بیادگار ماندہ است، رُباعی و غزل و قصیدہ ہجو و مدح ہمہ میگوید لیکن انچہ گوید از غزلیات کہ بسیار باندازِ طرز از و می تراود، بلکہ گرم بازاریِ او ہمینست بسیار صاحبِ دماغ است و دماغ او می زیبد، خدایش سلامت با کرامت دارد

از وست ـ٥

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریبان دریدہ تھا

تجھے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلہ کیجے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اُسکا جی نکلتا تھا

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہوویگا
مئے گلگوں کا شیشا ہچکیاں لے لیکے رو دیگا

کہاں آتے میسر تجھکو مجھسے خود نما اتنے
یہ حسنِ اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

گلی میں اُس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر
میں میر میر اُسے کر بہت پکار رہا

شبِ ہجر میں کم تظلم کیا
کہ ہمسایگاں پر ترحم کیا

کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ
تجھکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہے گا

ہیں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا
جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

دل کا نہیں ٹھکانا بابت جگر کی گم ہے
تیرے بلاکشوں کا ہم نے حساب دیکھا

لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

گزرا بنائے چرخ سے نالا پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا

طوفِ مشہد کبھی جو آؤں گا
تیغِ قاتل کو سر چڑھاؤں گا

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا
کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا

کب تک یہ ستم اُٹھائیے گا
اک دن یونہی جی سے جائیے گا

شکلِ تصویرِ بیخودی کب تک
کسی دن آپ میں بھی آئیے گا

شرکتِ شیخ و برہمن سے میر
کعبہ و دیر سے بھی جائیے گا

اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد
کسی ویرانے میں بنائیے گا

گل کو محبوب ہم قیاس کیا
فرق نکلا بہت جو باس کیا

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا

سوجھتا کچھ نہیں ہمیں اُس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا

تا بمقدور انتظار کیا
دل نے پھر زور بیقرار کیا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

دل کہیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

گل نے ہر چند کہا باغ میں رہ پر اس بن
جی جو اُچٹا تو کسی طرح لگایا نہ گیا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کے میر
سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

مانندِ شمع آتشِ غم سے پگھل گیا
بزمِ جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا

ہیں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرطِ شوق سے جی بھی اُدھر چلا

پیچھے پڑے ہیں دیکھ کے رُخِ زرد پر مرے
کہتا ہے میر رنگ تو کچھ اب نکھر چلا

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس
ہائے افسوس صد ہزار افسوس

رخصتِ سیرِ باغ ہم کو نہ ہوئی
یونہی جاتی رہی بہار افسوس

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل
اک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

کی سیر جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

ٹک لطف سے ملا کر پھر گو کبھو کبھو ہو
سو تب تلک کہ مجھ کو ہجراں سے تیری خو ہو

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

جنوں میر کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں
نہ چوبِ گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں

مطرب نے پڑھی تھی غزل اک میر کی شب کو
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو

ہو گا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میر
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

مرتے ہیں تیری نرگسِ بیمار دیکھ کر
جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر

جاتا ہے آسمان لیے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھر اُس در و دیوار دیکھ کر

افسوس وے کہ منتظر اک عمر تک رہے
اور مر گئے ترے تئیں یک بار دیکھ کر

ڈھب ہیں ترے سے باغ میں گل کے
بو گئی کچھ دماغ میں گل کے

جائے روغن دیا کرے ہے عشق
خونِ بلبل چراغ میں گل کے

سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سراغ میں گل کے

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

آتا ہے جی میں حال بد اپنا بھلا کہوں
پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

از خویش رفتہ اکثر رہتا ہے میر اس بن
کہتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں

نازِ بتاں اُٹھا چکا دیر کو میر ترک کر
کعبے میں جا کے بیٹھ میاں تیرا مگر خدا نہیں

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے
اس طرح کے رونے کو کہاں سے جگر آوے

نسیم مصر کب آئی سوادِ شہرِ کنعاں کو
کہ پھر جھونکا یہ یہاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو

گل و سنبل ہے نیرنگِ قضا مت سرسری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل و گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

کیا سیر اس خرابی کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسی دیوار کے سائے میں منہ پر لیکے داماں کو

یہ رسمِ آمد و رفتِ دیارِ عشق باندھی ہے
ہنسی وہ دن چلے میری اور رونا یوں چلا آوے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دلِ پُر خون کی اک گلابی سے

جی ڈھہا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

چشم آئینہ دارِ رو تھی کسی کی
نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسی کی

سحر بیخودی پائے گل ہم کو لے گئی
کہ اس سمت بیاں میں بو تھی کسی کی

دمِ نزع دشوار دی جان اس نے
مگر میر کو آرزو تھی کسی کی

مر گیا کوہکن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کل بارے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہوگا کہ وہ یہاں
نومیدی اور امید مساوات ہو گئی

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بےخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان، محبت کو دعا کرتے ہیں

بےبسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے
نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں

اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

دل پرخون ہے یہاں تجھ کو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو ٹک اک دیکھنے آنکھوں کی
ہر قطرہ پر مری اشکوں سے رواں ہے شیشہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگا کہ کدھر بہکا پھرے ہے اے مست
جس طرح کا جو تو چاہے ہے تو یاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشے کی بنائے ہیں کہاں ہے شیشہ

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی
جلتے ہیں رشک سے یوسف کے خریدار کئی

کب تلک داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو
مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں

بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں

نہیں وسواس جی گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغیر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے

کچھ نہ سمجھے کہ تجھے یاروں نے　　کس توقع پہ دل لگائے تھے
اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں　　یاں کبھی سرو و گل کے سائے تھے

ہجرت میں نامہ برکی دیتے ہیں جان تلک تو　　اب کارِ شوق اپنا پہنچا ہے یاں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں　　سو جا ہیو نہ پیارے اس داستاں تلک تو

دیکھیں تو تیری کبتک یہ کج ادائیاں ہیں　　اب ہمنے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سنکے سو برس کی ناموسِ خامشی کھو　　دو چار دل کی باتیں اب منہ پر آئیاں ہیں

کام آنے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار　　ہاتھ سے جائیگا سر رشتہ کار آخر کار
چشم وا دیکھ کے ٹک کیجیو چمن میں نرگس　　آنکھوں میں جاتی رہیگی یہ بہار آخر کار

ڈوبے اچھلے ہے آفتاب ہنوز　　کبھی دیکھا تھا تجکو دریا پہ

مدت سے لگ رہی تھیں آنکھیں در حرم سے　　پردہ اٹھا تو لڑیاں نظریں ہماری ہم سے

اندنوں یاروں کی نظروں سے نہاں رہتے ہو　　خوش رہو میر مرے جاں جہاں رہتے ہو

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہمنے　　خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر　　مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مدت کے جو بعد جی بحال آتا ہے　　خاطر پہ جہاں جہاں ملال آتا ہے
وے دوں گئے جان یوں چلی جاتی ہے آہ　　رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے

از احوال متاخرین

وارث رقم دقائق و حارث اجم حقائق حارسِ مجروسہ رسوم و حاکم محکمۂ علوم در گلشن فضل و کمال عندلیب حضرت شاہ قطب الدین المتخلص بہ مصیب برادر بزرگوار شاہ اجمل کہ بیشتر مذکور شد از فرزندان شاہ خوب اللہ الہ آبادی فاضل و عالم شاعرِ فارسی و عربی گاہ گاہے برائے خاطر ریختہ گویاں آن دیار ریختہ ہم میفرمود از چندے برائے زیارتِ مکۂ معظمہ رفت و بعد از مراجعت منزلِ مقصود جان بجان

آفریں سپرد نور اللہ مرقدہٗ - از وست ؎

سیاہ بخت کے گھر کون ہے جو لائے چراغ ‏ مرے مزار پہ جلتا ہے دل بجائے چراغ
بمشکل کہ پہنچے اس صفِ مژگان میں دل مضطرب ‏ کیونکر سپاہی جائے فرنگی کی باڑھ میں

مولوی غلام حسین المتخلص بہ مجروح الہ آبادی، عالمِ بےنظیر و فاضل خوش تقریر میاز رمیدان دلائل چابک سوارِ عرصۂ فضائل، شاعر فارسی بود، بندہ با وے ملاقات نہ کردہ لیکن اکثر از زبانِ یاران آں دیار وصف آں بزرگوار شنیدہ، درا وائل چندے ریختہ ہم گفتہ طبع دردمند داشت، از کلامش ظاہر است، اصلش از شاہجہاں آباد بود بہر تحصیل علم در آں شہر آمدہ استقامت نمود از بسکہ مدتہا ماند مشہور بہ الہ آبادی شد از مدتے جان بجاں آفریں سپرد رحمہ اللہ ؎

زمیں پر مت ٹپک اشکو نہیں یہ سنگ نہ سل ہی ‏ ارے او بیمروت یہ کسی کمبخت کا دل ہی
کوئی نہ منع کرو اس کو مے پرستی سے ‏ ابھی یہ نامِ خدا عالمِ جوانی ہے
یہ نہیں ممکن کرے زاری دلِ ناکام کم ‏ گرچہ آنکھوں میں نہیں باقی ہے پیرِ نام نم
جب سے دل اٹکا ہے زلفوں میں نہیں گرتا ہے آہ ‏ صید کو لینے نہیں دیتا یہ کافر دام دم
بات کہنا غیر سے اور دیکھنا ہر دم ہمیں ‏ سب سمجھتے ہیں پیارے یہ تری ایہام ہم

میر قمر الدین المتخلص بہ منت از نجیب زادہائے قصبۂ سونی پت ہمراہِ نواب عماد الملک بکمالِ خوبی بسر میبرد حقتعالیٰ سلامت دارد از وست ؎

منت اپنے کو دل دیا تو نے ‏ اے مریجاں کیا کیا تو نے

شیخ غلام احمد قادری المتخلص بہ منشی ساکن دادری سرکار نارنول کہ قصبہ ایست از دار الخلافہ شاہجہاں آباد، از شاگردان مرزا مظہر جان جاناں بیشتر واقف تخلص داشت چون از شاہ واقف واقف شد منشی، نمود در انشاپردازی خیلی مربوط است شعر فارسی خوب میگوید و ریختہ ہم، از چندے وارد فیض آباد است، خوش اوقات و پاکیزہ صفات، تلاش حرف

تازه می نماید خدا سلامتش دارد - از وست

سجن تیر نگہ سے کر مرے دل کو نشان اپنا
کہ میں قربان کیا ہی تجھ کماں ابرو یہ جان اپنا

چرا لیتا ہے نقد حسن کو آئینہ آنکھوں میں
خدا کے واسطے ٹک کر حیا کو پاسباں اپنا

نگر بیا سا ہے زخم دل تری بیداد کا ظالم
کہ تر کرتا ہے آب تیغ سے ہر دم دہاں اپنا

نہ پہنچی مجکو آفت ہر گز اس گردونی گردش سے
زمین خاکساری کو کیا ہیں آسماں اپنا

مسافر تخلص نیدانم از کیست و کجائیست اینقدر میدانم کہ از معاصرین من است یک

شعر از و بگوش خورده از کلامش چاشنی تصوف می آید از وست

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبے کو جائیے
واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

شیخ ولی اللہ المتخلص بہ محب مرد بیست نوکری پیشہ خوش اندیشہ اصلش از شاہجہاں آباد است

از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا سخن او خالی از لطف نیست پیش مہرباں خاں بطرف فرخ آباد

بسر میبرد از وست

عارض اُسکے تھے عرق سے یوں سحر بھیگے ہوئے
جسطرح شبنم سے دو گلبرگ تر بھیگے ہوئے

اشک سے مژگاں ہی نم تجھ تک پہنچتی نہیں نگاہ
مانع پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

میاں کاظم علی المتخلص بہ مقتول از جوانان الہ آباد است گاہ گاہ فکرے نماید از وست

شکایت کیا رقیبوں کی کروں اس لاابالی سے
سمجھتا ہی نہیں کچھ نیک و بد وہ خورد سالی سے

شاعر دردمند وگدا حافظ فضل علی المتخلص بہ ممتاز سررشتہ طرز کلامش استوار و

گل فکر پاش رنگ لالہ زار سخنش شاعرانہ و طرزش اُستادانہ، در دیست حافظ قرآن

از شیخ زادہ ہائے شاہجہاں آباد و از تلامذہ مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ شنیدہ ام کہ الحال

بطرف دکھن رفتہ - یک مثنوی مسمّٰی بہ لاٹھی نامہ خوب گفتہ کہ سلسلہ اورا تا بہ عصائے

کلیم رسانیدہ و بسے مانند شاخ گل بروگلہائے فکر دوانیدہ چند بیتے از اں بیاد است

من مثنوی

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز
سب سے ہے ممتاز کو لاٹھی عزیز

کو رج و مقام اُس کا ہی سب اپنے ہاتھ
جب کہیں چلیے تو ہے بے عذر ساتھ

ہاتھ میں رکھتے ہیں اسے ہوشمند
ڈرتے ہیں سب اس سے رند اور گزند

کھینچ نہ سکیے جہاں شمشیر و تیغ
اُس کو لگا بیٹھیے واں بے دریغ

اتنا کم آزار اور ایسا شفیق
اور بھی کوئی ہے کسی کا رفیق

کس میں یہ توفیق ہے کیجو خیال
ہاتھ پکڑ گرتے کو لیوے سنبھال

چوب نہیں دلبر خوش خو ہے وہ
یار ہے وہ قوت بازو ہے وہ

اسکے گھرانے کو جو کیجے خیال
چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ہی کمال

کوئی تو ہے خامۂ معجز طراز
کوئی شکر ہے نئے نغمہ ساز

کوئی تو ہے ہمسر تیغ و قلم
نام بزرگان بہ بزرگی علم

اُس کے گھرانے کو بڑائی قدیم
واں ہے اعجاز عصائے کلیم

بیہودہ رکھنے سے وہ وارستہ ہے
راستی اپنی یہ کمر بستہ ہے

غرض ازیں قبیل بسیار گفتہ و دُرہائے معانی سُفتہ من اشعارہ ــ ۹

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ
یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ

ڈروں ہیں کس لیے رنجش سی بیار میں کیا تھا
میں اب تک انکو جو روؤں بہار میں کیا تھا

جفائے یار نے کسطرح کر دیا مایوس
اور اپنی خاطر امیدوار میں کیا تھا

تیرے ہی واسطے آئے عدم سے ہم یاں تک
وگرنہ ہستی ناپائدار میں کیا تھا

کوئی ہزار دعا مانگے یا کرے تعویذ
لکھا ہوا نہ مٹے کوئی کیا کرے تعویذ

میں تیرے داغ کو رکھتا ہوں اسلیے دل میں
کہ آشنا کا دیا آشنا کرے تعویذ

کیوں نکے سر سبز ہو شاہی و گدائی کی ہوس
رہ گئی آہ مرے دل میں خدائی کی ہوس

بال و پر توڑ کے جب تو نے قفس کو سونپا — وہیں آخر ہوئی صیاد رہائی کی ہوس
طالب وصل بتاں پھر بھی ہوا ہے ممتاز — دل میں باقی ہے کچھ اک داغ جدائی کی ہوس

گزرا کبھی شاید کہ وہ بیباک چمن میں — آتا ہے نظر جامۂ گل چاک چمن میں
اک روز میں ممتاز سے پوچھا کہ تو چل باغ — ٹک غنچۂ گل دیکھیے اور تاک چمن میں
اتنا ہیں کہا سنکے مری بات کو بھر آہ — بن یار کروں سیر چمن خاک چمن میں

ہمارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا ہے — کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے
ہے اندنوں دل نالاں فرنگ کا گھڑیال — رہے رہے کبھی آپھی پکار اٹھتا ہے

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار ہے — میرا ہی دست دعا منہ پر مرے دیوار ہے
دل کے لیجانے سے کچھ خاطر پر اپنی تو نہ لانا — جب تو رہ ممتاز پھر دیویگا آخر یار ہے

یاد اُس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہے — لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر میں پری رہتی ہے
گوکہ آنسو نہ ہے تو بھی ہے یاں نم باقی — چشمہ ہرچند کہ ہو خشک تری رہتی ہے
مت ہنر پر تو ہو نازاں مدد بخت ہے شرط — قابلیت جو ہے ممتاز دھری رہتی ہے

جو کیفیت نہو مے میں تو کیا خمار میں ہو — جو رنگ و بو نہو گل میں تو کیا بہار میں ہو
جلا پتنگ تو روتی ہے اسکے حال پہ شمع — بلا سے یہ بھی کہیں طور اپنے یار میں ہو
نکر تو جبر نصیحت کا ہم پر اے ممتاز — سخن تو کہتے ہیں اس سے جو اختیار میں ہو

بے نیازی عشق کی وہ کچھ تمہارا ناز یہ — اُس کا کیا انجام ہو گا جس کا ہے آغاز یہ

از موزونانِ جہان و خوشگویانِ زمان خانصاحب مہربان محترم خان المتخلص بہ
محترم جوانے است خوش معاش و یار باش نوکری پیشہ ہمراہ برادر خود خواجہ
محمدی خان کہ صاحب رسالہ در سرکار نواب قاسم علیخان بہادر بود و عمدۂ روزگار ماندہ
ہمہ برادرانش شوقِ شعر دارند، درآں میاں از ہمہ طرز کلامش مؤثر، از شاگردانِ
شاہ رکن الدین عشق تخلص، با فقیر بسیار آشنا است، خدایش بسلامت دارد۔

از دست ہ

جو دل سے گرے اہل دلوں کے وہ کدھر کا   دنیا کا نہ دین کا نہ ادھر کا نہ ادھر کا

اہ ہم سیر کو کہاں جائیں   یار بن سونی ہیں سبھی جائیں

کوئی تیرا خیال جاتا ہے   دل کو ہر چند یار سمجھائیں

ملنے کی میاں تری ہوس کر   رہجاتا ہے ہائے دل ترس کر

سو بار اگر لبوں پہ آ مری جان پہنچے   تو بھی نہ دیکھنے کو وہ بدگمان پہنچے

پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک   شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

جس نے دیکھی ہو یار کی صورت   کب خوش آوے بہار کی صورت

محترم کیا بیاں کروں تجھے   اس دل داغدار کی صورت

خون ہو کر سرشک ہوتا ہے   اس میں ہوتی ہے یار کی صورت

پونچھوں اس کو اگر میں دامن سے   نکل پکڑے نگار کی صورت

یعنی پتلی نہیں ہے آنکھوں سے   ہائے ری ہائے یار کی صورت

مجنوں تخلص شخصے ست در عظیم آباد، طبع موزوں دارد شعر خود را پیش میر ضیا سلمہ اللہ میگزراند از مذاق کلامش بوے دردمندی می آید از دست ہ

جی مرا از بس ترا محو خیال نور تھا   دل سے جو شعلہ اٹھا تھا سو چراغ طور کا

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے   اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانا مجھے

کتنا سمجھاؤ کوئی شوخ مرا سمجھے گا   مجھ پہ جو کچھ کہ گزرتی ہے وہ کیا سمجھے گا

خط تو بھیجا ہے پر اب خوف یہی ہے دل میں   میں نے کیا اسکو لکھا اور وہ کیا سمجھے گا

اتنو بھولا ہے تو نا بوتی یہ بتاں کی مجنوں   پر کوئی دل کو مرے یار بھلا سمجھے گا

تیری تو گرد کو بھی نہ ہرگز صبا لگی   اے میری خاک تجکو کہاں کی ہوا لگی

نہ دل ہے نہ جگر داغدار پہلو میں   بسا ہے آکے کوئی بیقرار پہلو میں

جب سے آیا ہے وہ مکھڑا نظر آئینے کو　　تب سے اپنی بھی نہیں ہے خبر آئینے کو
بھول کر منہ کبھی اپنے کہیں دیکھا تھا　　بیخودی ہے اُدھر اُس کو ادھر آئینے کو
سر سے لے پانوں تلک آپ ہوا جاتا ہے　　لگ گئی وائے یہ کس کی نظر آئینے کو
کچھ اور تو نہ لینے دل کا سراغ پایا　　پھر پھر اُسی جگہ پر سینے میں داغ پایا
گر تا ہوا نت ایک زمین آسماں رہوں　　مانندِ ریگ شیشۂ ساعت جہاں رہوں
ڈرتا ہوں مناسب تھا دلدار کی آنکھوں سے　　مارا نہ مجھے آخر کس پیار کی آنکھوں سے

عجائب رام منشی تخلص از شاگردانِ شاہ قدرت در مرشد آباد دلبر میبرداز دہلی
مردمانِ ہمان دیار است گاہ گاہ فکر شعرے نماید از وست ؎

تیرے دل سے گرہ کینہ کوئی تب کھولے　　غوطہ گر مار سکے آب گہر میں ناخن

از موزونانِ جہاں یاد علیخاں ساکن شاہجہاں آباد صاحب طبع دردمند
المتخلص بہ مستمند از شاگردانِ مرزا فدوی، از وست ؎

بھلی لینے خبر صبا د آیا　　موئے جب ہم اُسے تب یاد آیا
نزع تک وصل کی ہے بار امید　　ہے مثل ایک دم ہزار امید
لگی ہے جسقدر میرے دلِ بیتاب میں آتش　　نہ دیکھی ہوگی تو نے شمع ایسی خواب میں آتش

میاں محمدی مائل، تخلص از ساکنان شاہجہان آباد است الحال در مرشد آباد
شعر خود را پیشِ شاہ قدرت میگزراند فکر معقولے دارد سلامت باشد ؎

جلوہ گر تو مدت سے ہی ہیں تو لے جانہ تھا　　دیر بھی دیکھا تو تیرا خاص خلوتخانہ تھا
حال کہنے کی نہ دی گریہ نے فرصت اُسکو　　آج پھر کہیو اُسے مائل وہ کیا افسانہ تھا
کیوں نکالے ہے مجھے ہر گھڑی اپنے گھر سے　　میرے رہنے سے تجھے کیا ہے خلل جاؤنگا
غیر کے پاس کھڑا تھا میں کہا جا یاں سے　　لگا کہنے کہ تجھے کیا ہے سے لے چل جاؤنگا
تو تو مجھ پر ہو کے غصہ ایک دم سوتا رہا　　شمع کی مانند ساری رات میں روتا رہا

معلوم نہیں کچھ دلِ غمخوار کی خبر — کیا جانیے کہ کیا ہے مرے یار کی خبر
بازاریوں نے گو تجھے کچھ کچھ کہا تو کیا — کب معتبر ہے کوچۂ و بازار کی خبر
کیا کیا کہوں میں تجھسے دلِ زار کی ہوس — مشہور ہے جہاں میں بیمار کی ہوس
ہونے دے قیمت آگے ہی اے دل لگا نہ جا — دیکھیں کہاں تلک ہے خریدار کی ہوس
کہتا تھا کہ بار آ ہر دم کی اس ہنسی سے — آخر گیا نہ ظالم اک بگیناہ جی سے
کچھ تعجب نہیں گر مر گیا تیرا مائل — یار کیا لگتا ہے انسان کے مر جانیکو
مارا مجھے تو فکر نہ کر تو کہ یہ تو بات — مشہور ہے کہ مار کے پیچھے سنوار ہے

منتظر تخلص۔ شخصے است در مرشد آباد، احوالش معلوم نیست ہمیں مطلع بگوشش رسیدہ ؎

جبکہ برقع سے ترے منہ کا تل آوے باہر — دید کو اس کی سویدائے دل آوے باہر

بندہ معنیِ ایں مطلع ہیچ نہ فہمیدہ برائے نام قلمی نمودہ الا دریں شعر سوائے مناسبت خال و سویدائے دل معنی و ربطِ کلام پیدا نیست۔

شہرستان معانی و باغستان سخندانی طبعش بغایت متین و نظمش نہایت مبین شیخ محمد معین الدین المتخلص بہ معین از شہر بداؤن است، طرز کلامش شاعرانہ و طبع دقت پسندش بر نکتہ چینی دیوانہ اکثر با شعرائے معاصرین بحثیں دارد چنانچہ یکبار بر شعر فقیر اعتراض بیجا نمود ہر چند فہمانیدم نفہمید۔ سند مرزا رفیع دادم قبول نکرد گفت دیوان مرزا من صحیح دارم در و این طور نیست۔ غرض ہر جا کہ ہمچنیں لفظے یابد دیوان استاد خود را موافق طبع خود درست کند و سخن خود را سر سبز مے نماید۔ چون از شہر بداؤن است حق بجانب اوست لیکن با وجود اینہمہ خود آرائی و خود پسندی مثل او ہم صاحب طبع پیدا نیست مثنوی و قصیدہ و ہجو ہمہ خوب میگوید، ہجو کشمیری و قصیدہ در مقدمہ آب پُر دکہ ہندی ڈوبہ میگویند بسیار با آب و تاب گفتہ مدتے در الہ آباد بسر بردہ الحال شہر[illegible]

کہ بطرف خیر آباد است خیر آباد باشد۔ از وست ؎

دیں جگہ تیری جفا کو دل صد چاک ہیں ہم
دیکھیں گر کچھ بھی وفا تجھ بت بیباک ہیں ہم

نقش پا کی نمط اے راحت جان عاشق
تیرے کر قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک ہیں ہم

لخت دل نہیں ہیں جو بے نکلے ہیں نیت قاصد اشک
پر نزے حال اپنے کے بھیجے ہیں تجھے ڈاک ہیں ہم

این مضمون بسیار خوب است لیکن بندشش درست نیست ہر کہ محاورہ دانست

میداند۔

خوش ہم عریانی سے اتنے ہیں برنگ بوئے گل
نکلے جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں پوشاک میں ہم

"خوش ہم عریانی" ناموزون است چرا کہ میم بار بار چناں چسپیدہ است کہ عین چوں

چشم غزال از میان رم کردہ است و ایں سخت عیب است نیز از وست ؎

نہ پھرے نالوں سے راتوں کو معین ان اپنے
آہ کب تک رہینگے گردش افلاک میں ہم

یہ جان تاب تپ عشق سے جلی افسوس
کسی نے آن کے اکدم خبر نہ لی افسوس

. . . .
نہ آیا یار دوپہری بھی اب ڈھلی افسوس

مصرع اولے از خاطر رفتہ است۔

ایں محاورہ درست نیست، مردم شاہجہاں آباد دوپہر ڈھلی میگویند نہ دوپہری

مگر مردم بیرونجات۔

اٹھائے جوتے ہیں اہل محلہ اس کو آج
معین سے جیتی ہو یہاں سے تو یہی گلی افسوس

بتیاب ہو تینگے جو فانوس میں ہو شمع
یارب کوئی اسیریت خانگی نہو

مضمون خوبے یافتہ مگر لفظ بیت خانگی نامانوس است فقیر در ہیچ جا نشنیدہ،

میاں یہ آرسی ہر ایک کو منہ دکھاتی ہے
تو ایسی قحبہ سے کیوں انکھڑیاں لڑاتا ہے

شاہ مجنوں مجنوں تخلص، نومسلم، نبیرۂ کشن ناتھ کہ دیوان محمد شاہ بود پدرش

نیز ہماں مذہب داشت این غریب مسلمان شدہ لیکن تا حال بوے کفر و نفاق از دلش

نرفته سر و پا برهنه با حالِ پریشان میگردد بیشتر حسرت تخلص داشت بعده حالی نمود
چون بصحبت میر انشاء الله رفت مجنون تخلص کرد، خود را از شاگردانِ میر تقی می شمارد
لیکن همان مثل است خرِ عیسےٰ اگر بمکه رود، از وست ـ

پھر اب یہ چونچلا ہے کل وون قرار ٹھہرا — کہتا ہے مجھے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجکو چٹ سے — تو اپنے منہ سے آ بھی بے اعتبار ٹھہرا

بدیع الزمان خان المتخلص بہ مخلص جوانے است حسین عمده روزگار اصل او از شاہجہان آباد است مدتے درخدمتِ فراشخانہ سرکار نواب عالیہ سرفراز بود از چندے معزول شده بوطن خود رفت، از شاگردانِ شاه واقف، جستہ جستہ خوب میگوید با فقیر نیز آشناست خدا سلامت دارد ـــہ

ہاں نکلنا ہو کبھو نالہ جگر سے باہر — اندنوں تیری ہے تاثیر اثر سے باہر
شبکو خورشید صفت صبح کو مانند ہلال — دیکھا اس کا تو ہے شام و سحر سے باہر
لیجا تو دل کو یوں تو ترا اعتبار ہے — پر شرط اس زمانے میں قول و قرار ہے

محمد علیخان ولد نعیم الله خان مشهور بہ مرزا کی مرد لیست بکمال قابلیت و انسانیت خوش معاش و عمده روزگار در سرکار نواب عالیہ اکثر بخدمات دور دست سرافراز میشود در علم موسیقی هم دستے بهم رسانیده و ذوقے پیدا کرده بیشتر مشغول همین است گاه گاهے دو سہ شعر هم میگوید حقتعالی سلامت دارد ـــہ

رباعی

جو کوئی کسی کو یاد رکھیا دے گا — یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل یاد دیگا
اس دور مکافات میں سن اے غافل — بیداد کرے گا آج کل یاد دیگا

مرزا علی نقی محشر تخلص از کشمیر است در بلده لکھنؤ استقامت دارد لیکن وقتی که تخلص قیامت دارد سلامت باشد از وست ـــہ

دریا میں پھینکے لاش کو میری بہا دیا　　قاتل نے میرے قتل کا یہ خوں بہا دیا

بہارستانِ باغِ سخندانی و چمنستانِ گلزارِ معانی شیخ ہمدانی المتخلص بہ مصحفی طبعِ روانش جدولِ کتابِ فصاحت و فکرِ بیانش مسطرِ بیاضِ بلاغت، رنگینیِ نظمش سرخیِ بابِ گلستان و پیچیدگیِ الفاظش چون سنبلِ بوستان از نجبائے امروہہ مولدش اکبرپور کہ قصبہ ایست وطنِ بزرگانش از قدیم متصل دہلی الحال در شاہجہان آباد بہ پیشۂ تجارت بسر میبرد از دیوانِ او دو سہ جزو بنظر در آمدہ قصیدہ و غزل و مثنوی ہمہ خوب، کلامش بیشتر شاعرانہ، از تخلصِ او معلوم مے شود کہ مردے صالح است، برائے حجام پسر مثنوی خوب گفتہ چنانچہ این چند شعر قلمی مے نماید از مثنوی اوست

زبس آئینہ رو ہے طفلِ حجام　　نہیں بن دیکھے اس کے دل کو آرام
جو دیکھے انگلیاں وہ گوری گوری　　بنے خورشید پانی کی کٹوری
وہ جس کے روبرو ناگاہ آیا　　اسے حیرت نے آئینہ دکھایا
ملا جب آئینے کو اسا نائی　　بنائی جا را برو کو صفائی
نہ کھینچے خامۂ مو اسکی تمثال　　کہ وہ ہے عاشقوں کی ناک کا بال
سُنے ہے مصحفی اب تو بھی فی الحال　　منڈا کر سر کو ہو جا فارغ البال

من غزلیاتہ

برہم زنِ تقریر نہیں پیر و جوان کا　　جوں غنچہ میں عقدہ ہوں اپنی ہی زبان کا
پیری میں لو بھی ہوئے غافل ہزار حیف　　سے لے اختیار لگی ہم کو یہ خوابِ صبح
گل کترے تہ بلبل مری فریاد کے آگے　　سر سبز ہوا شاگرد کب استاد کے آگے
ایکدن رشک کے نکالی تھی میں واں کلفتِ دل　　اب تلک دامنِ صحرا ہے غبار آلودہ
تلخ ہو جیتے میں اس کے مزا ہے کچھ اور　　چھیڑ کر گالیاں کھانے میں مزا ہے کچھ اور
مار ڈالا ہے مجھے زلف کی دکھلا کے لٹیں　　ہو قاتیہ بھی کہتا ہی جفا ہے کچھ اور

ولا تا چند آہ و نالہ بس کر
کوئی دم تو بھلا ضبطِ نفس کر

کوئی خوابیدہ ہم سے جا سکتے ہیں
نہ اتنی سعی اے بانگِ جرس کر

جہاں کا گل بنے وہ شوخ یارب
مجھے تو اس چمن کا خار و خس کر

ہے اس کی آئینہ میں خط و خال پہ نظر
کرتا ہے کب ہمارے وہ احوال پر نظر

قلیاں ہوا ہے جیسے لبِ یار کا ندیم
مشتاقِ بوسہ رکھتے ہیں تمثال پر نظر

اک حشر تازہ ہوویگا دیوانِ حشر میں
جب ہم کرینگے نامۂ اعمال پر نظر

یار یہ دونوں اگر ہم ہوں تو ہم ہیں بہتر
نہ ترا پیار بھلا اور نہ ستم ہیں بہتر

اونا فہم مریجاں کوئی کیا سمجھے (ہی)
کہ سمجھتے ہیں تری بات کو ہم ہیں بہتر (ہی)

آچکا خط پہ سرِ مو نہ گیا ناز ہنوز
ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز

بے پر و بال گیا تو بھی قفس میں مجھکو
چین دیتی ہے نہیں شوخیِ پرواز ہنوز

ہوں میں اے مصحفی آئینۂ زنگ شدہ
مجھے غافل ہے مرا آئینہ پرداز ہنوز

ہے دلبروں میں تو ہی عاشقوں کا اک خونریز
لہو بھرا ترا دامن ہے ہم کو دستاویز

اٹھا غبار تو وہ بھی ہوا مشابہ خط
سوائے ہند کے دیکھی نہ خاک قابلِ تمیز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
ساون کا سا لگ رہے ہی یہاں مجھ پہ تو ہر روز

اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہو شب کو
آرہتی ہے اس بات کی ہم تک بھی خبر روز

اے مصحفی اُس کوچے میں دل لگ سکا ہی
جاتے نہیں ور کرتے ہیں ہم عزمِ سفر روز

شوق سے لکھیے اگر جانبِ جاناں کاغذ
ہو کبوتر کی طرح آپ پر افشاں کاغذ

دل بہ دل راہ جنھیں ہوتی ہے وہ آپس میں
بھیجتے رہتے ہیں نت غنچۂ پنہاں کاغذ

پرزے پرزے جو کوئی ہو سو لکھے نامۂ شوق
بھیجنا یار کو ایسا نہیں آساں کاغذ

ہوئی ہے لگ کہ یہ فصلِ بہار دامنگیر
چلیں چمن سے تو ہوتا ہے خار دامنگیر

سمجھ کے رکھیو قدم دل جلوں کی تربت پر
مباد ہو کوئی تیرا شرارہ دامنگیر

واقفہ اے پلک نگہ دیدۂ تر ہے درپیش
دل ہیں برسات کی اور رہ میں خطر ہے درپیش

دل حیران کی مرے دیکھیے صورت کیا ہو
اتنو واں آئینہ ہی آٹھ پہر ہے درپیش

کیے ہی جوں جوں اپنے حسن کی وہ شوخ آرایش
ہمارے عشق کی ہوتی ہی یاں اتنی ہی افزایش

نہیں کچھ مصحفی اتنا تو مفلس سوچیے کیا ہو
بطور امتحاں کیجیے کبھی اس سے بھی فرمایش

دیکھ لیتے ہیں ہم اس سے گاہ گاہ ہے رد گل
تا ابد رہیو سلامت چاک دیوار قفس

ہے بہاں داغ جگر زخم نمایاں کے تلے
جس طرح لالہ کہیں ہو گل خنداں کے تلے

آشیاں بندی کی تکلیف نہ ہمکو ہوس
گر رہینگے کسی دیوار گلستاں کے تلے

فصاحت بیان و بلاغت نشان بہار پیرائے عبارت خوش اسلوب چمن آرائے
معانی مرغوب مرزا غلام حیدر المتخلص بہ مجذوب خلف اوستاد اوستادان مرزا محمد رفیع
سودا سلمہ اللہ تعالے اگرچہ دید آشناست لیکن باہر کہ آشناست آشناست علو
طبیعتش باوجود سخنداتی بخاموشی مربوط و مزاجش بکمال کم گوئی مبسوط، الحق ؎

خاموشی کہ داشت از کمال داشت
آب گہر بموج صدا نیست آشنا

گاہ گاہ از غزل و شعر فکرے می‌نماید، خدایش سلامت داراد از وست ؎

اشک آنکھ میں ہو عشق سے تا دلیں غم رہے
یہ گھر ہے وہ خراب جو آتش سے نم رہے

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر
صیاد نے تنا یہ ترا نا تو ہم رہے

چمن میں حسن کے جب وہ گل اندام لے آیا
ادھر غنچہ صراحی اور ادھر گل جام لے آیا

عجب قیمت ہے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئی صبح اس کو لیگیا تو شام لے آیا

خوباں سے جو دل ملا کرے گا
دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا

شکر ہم اس طرح جہان سے چلے — یاد ہی کچھ نہیں کہاں سے چلے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے — میں بھی تو یار کم نہیں دو چار کے لیے

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے رووں گا زار زار — جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

مجذوب بہرِ سبحہ وہ منت تھی شیخ سے — پھر برہمن سے عجز ہے زنار کے لیے

ہمیں کیا لطف ہے منہ دیکھنا واں یار کا اپنے — جہاں وعدہ اُسے عالم سے ہو دیدار کا اپنے

کیا ہے دل نے مستغنی وصالِ یار سے ہمکو — تصور دل میں نت رہتا ہے اس دلدار کا اپنے

گھر امن کا اسی کو ملا آسمان تلے — جس نے جہاں میں آن کے مسمار کی ہوس

بتان قربانیِ عشاق کی تمہید کرتے ہیں — لگا مہندی کو ہاتھوں میں یہ ظالم عید کرتے ہیں

کہو کس طرح تم سے بحث کر میں پیش لیجاؤں — تمہارے ہی سخن کی ملکے سب تائید کرتے ہیں

بھڑک اُٹھتا ہے شعلے کی طرح ہر نخل اے بلبل — چمن میں گر ترے نالے کی ہم تقلید کرتے ہیں

خط بھی نکلے گا ترے اب ماہ دن دو چار میں — خیر کی معلوم ہو گی چاہ دن دو چار میں

اب تو مجذوب اس صنم کے قول پر بھولا ہے تو — یاد آوے گا تجھے اللہ دن دو چار میں

آہ میں اپنی ثمر ڈھونڈی ہے اے مجذوب تو — سرو میں ہم نے لگیں اب تک نہ پھلیاں دیکھیاں

عداوت سی تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں — بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں

تمہارا ہے جو عہد و وفا ہے اس کی تم جانو — مرے پیماں میں کچھ نوعِ دگر ہووے تو میں جانوں

نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب ہے وصل کی تھوڑی — تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں جانوں

اشراف یا کمینہ طلب گار ہو کوئی — دو لگا اسی کو دل جو طرحدار ہو کوئی

نہ سایہ چمن میں نہ صیاد کے حضور — یا رب مری طرح نہ گرفتار ہو کوئی

دیکھوں ہوں نقاب میں میں رخسار گاہ گاہ — حق کا نظر پڑے ہے یہ اسرار گاہ گاہ

ہر وقت کی طلب ہے مبادا اسے ہو قدر — دل مانگتا ہے مجھ سے وہ عیار گاہ گاہ
گزرے ہے یوں خیالِ وطن جوں کرے ہے یاد — خو کردۂ قفس گل و گلزار گاہ گاہ
طاقت کہاں کہ حال کہے اب طبیب سے — ٹھنڈی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ
رسوا تو یہ ہوا ہوں کہ ناصح کی بات کا — کر بیٹھتا ہوں دل میں ہیں اقرار گاہ گاہ
آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو — بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
مجذوب ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں — بندہ کبھی ہو بیٹھے ہے تو گاہ خدا ہو
جور و جفا یہ یار کی دل مست نگاہ کر — اپنی طرف سے ہووے جہاں تک نباہ کر
مجذوب گر ہے خواہشِ عشقِ بتاں تجھے — ایمان و دین و دل کو تو پہلے تباہ کر
ہم سے جو خفا غیر سے نرباہ کرے ہے — یوسف تو مرا اوروں کی اب چاہ کرے ہے
زلفوں کی گرہ دینے سے کچھ فائدہ لے یار — ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے
اعجاز جو تجھ لب کے کرے گوش فلک پر — عیسیٰ کے رہیں سُن کے نہ پھر ہوش فلک پر
پھرتا تجھے خورشید جو دیکھے بسرِ بام — گردش کو کرے اپنی فراموش فلک پر
تیری ہی سُن کر رہتا ہوں میں سخت ایک دو — ہیں غیر میرے سامنے کیا رخت ایک دو
خط لائے پہ یہ کثرتِ عشاق پھر کہاں — مجذوب سے رہے کوئی کمبخت ایک دو
بد کہنے کو کسی کے محبوب جانتے ہیں — اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں
خاطر میں کون لائے میرا سخن کہ مجھکو — سودا کا سن کی بیٹا مجذوب جانتے ہیں

میر عوض علی صلش از شاہجہان آباد است مردِ حشّاش[1] و بشاش کشادہ پیشانی خوش معاش متواضع و یار باش شاعر بینظیر و منشی خوش تحریر مخزنِ اشعارِ غرّا معدنِ انشا و املا المتخلص بہ

---

[1] اصل نسخہ میں یہ لفظ ح سے لکھا ہے لیکن صحیح ہ سے ہونا ہے۔

مدعا طبیب خوش نصیب بحذاقت قریب بعنایات یزدانی از راہ قدر شناسی و نکتہ دانی خان عالیشان خلف حافظ رحمت عنایت خان غفر اللہ لہ سد صدرہ و پیہ فیدا دچندے در بریلی اقامت داشت الحال معلوم نیست کہ کجاست از اشعار ریختۂ او کم بنظر آمدہ مگر این چند بیت کہ در تہنیت شادی خان بلند مکان محبت خان سلمہ اللہ در زمین قصیدۂ لیک ٹپاک گفتہ چنانچہ بنگارش می آید بعضے مضامین تازہ یافتہ و زبان اقا غنہ بستہ است خدایش سلامت دارد از وست ؎

پھر ہی یادل شدگاں در پئے ازار فلک
متصل چھڑکے ہی ناسور پہ چھاتی کے نمک

مادے نے کھول دیا ہے کف سیمیں اپنے
دوسرا ہاتھ جو پایا تو بجا یا دستک

نشۂ عیش سے ہی سرو یہاں تک سرشار
کہ لیا چاہی ہے غنچے کے نمکداں سی گزک

حسن کے خلوتیاں بزم حنا بندی میں
شعلے سے باندھی ہیں پروانے کے پاؤں پہ کفک

محفل عیش میں بلبل نے بجادی شہنا
گوشۂ باغ میں غنچے نے اٹھالی ڈھولک

غمزہ یہ گرم کہ ہو برق زن خرمن عمر
عشوہ یہ ظلم کہ ہو رہزن قوم نیرک

چشم آشوب قیامت سے لکھا دے محضر
صف محشر کو الٹ مارے ہی ہر ایک پلک

شعلۂ حسن کی گرمی سے عرق ریز جبیں
دیکھی ہو گی کبھی مہتاب میں موتی کی ڈھلک

قلقل شیشہ یہ کہتا ہی کہ مت بیٹھ خموش
جام ماری ہے صف بادہ کشاں پہ چشمک

ساقی شوخ کہے ہی کہ غنیمت ہی وقت
ساغر عمر تو لبریز ہے مت جائے چھلک

شیخ اگر کچھ بھی ہو غیرت کی تری دل میں ترنگ
ساغر و شیشہ اٹھا سبحہ و سجادہ ٹپک

جشن نواب فلک رتبہ محبت خاں ہی
جس کی شادی میں ہیں سب جمع بزرگ و کوچک

لخت زادوں کو جو دیکھو تو ہنگامہ سرد
مچ رہا ہی یہی غل رعشۂ ہلک ہلک

وہ جو گلگون سواری کا ہی تیری مخصوص
کیا کہوں وصف یہاں عقل چلی جائے بہک

مہ نوغل ہی او رکاہکشاں بحر قطاس
اس کی مدرس ہی فلک پر یہ مرصع اورنگ

کیا بیاں جلدی کا اُس کی ہی کہ جوں مرغ دعا　　ہاتھ اُٹھانے میں گیا فرش سے لے عرش تلک
گر مصور کرے تصویر کو اُس کی منظور　　قبضۂ وہم سے اُڑ جائے ہی بے شبہ و شک

ازیں قبیل تعریف ہر یکے نمودہ بعد قصیدۂ مرزا رفیع سودا دریں زمین الحق کہ خوب گفتہ است خان ذیشان محبت خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خان المتخلص بہ محبت با وجود اسباب امارت طبع موزوں بتواضع مقروں دارد بعضی اوقات کہ آں منبع جود وسخا قدر دان شعرا بمضمون تازہ مائل میشود باصلاح خواجہ حسن یا میاں حسرت جرأت نمودہ اشعار برجستہ ادا مینماید اکثر باصاحب سخنان زماں از رہ خوش خلقی صحبت میدارد از مغتنمات وقت است سلمہ اللہ

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپکے رقم کرتے ہیں　　یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
مذکور جو مجلس میں ہوا دوش کسی کا　　سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا
تھا ارادہ تو نہ آنے ایکے ہم تیری طرف　　پر کریں کیا جو پڑا اپنا قدم تیری طرف
غور کیجو ٹک محبت کی نگہ سے حسرتیں　　نزع میں بھی دیکھتا ہی دمبدم تیری طرف
زلف سے تیری اتصال ہوا　　خوش مرا آج بال بال ہوا
عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے　　آج چہرہ مرا بحال ہوا
غیر کے گھر قدم رکھا تو نے　　دل محبت کا پائمال ہوا
دیکھتے تھی جو کہ ہم عشق اب تجھے دکھلائیگا　　کوئی دن میں آپ تو اپنے کئے کو پائیگا
جوں ہمارا دل ہمیں لاتا تھا گلیوں میں تری　　اُس کے کوچے میں ترا دل اب تجھی لیجائیگا
کی کس نے دلا تجھ پہ یہ بیداد بغل میں　　سنتا ہوں جو ہر شب تری فریاد بغل میں
اُس یار سے کچھ مجکو نہیں شکوہ جفا کا　　جو ہے سو یہ اپنا ستم ایجاد بغل میں
کیا دیوے گا کوئی ہمیں تعلیم محبت　　رکھتے ہیں ہم اس فن کا تو اُستاد بغل میں
درویش کی خوبی تو تونگر میں نہیں ہے　　اکسیر میں جو کام ہے سو زر میں نہیں ہے

دلبر تو مرا کل سے نہیں ناصح مشفق | آج اور تماشا ہی کہ دلبر میں نہیں ہی
نہیں ملتا ہی تو مجھ سے بت خودکام کس باعث | نہ ملنا تھا تو پھر مجھ کو کیا بدنام کس باعث
یوں دیکھتا ہوں زلف سیہ فام کی طرف | گھبرا کے صید دیکھے ہی جوں دام کی طرف
جی چاہی بوسہ دے مجھے جی چاہے اور کچھ | دیکھو پر اپنے دیکھ کے تو نام کی طرف
ہوا اسرار پر منصور کے ہونے سے یوں ظاہر | کہ بعد از مرگ بھی عاشق کی سرداری نہیں جاتی
جو چاہی ہوش تو بیہوش ہو جام محبت سے | یہ بیہوشی ہی ایسی جس سے ہشیاری نہیں جاتی

صاحب ہوش و گوش میر نبی جان المتخلص بہ مدہوش نبیرہ حضرت خواجہ محمد باسط قدس سرہٗ جوانے است خوشرو و نیکخو از ست گردان میر سوز سلمہٗ ہنوز ابتدائی مشق سخن است اگر زمانہ فرصت میدہد گاہ گاہے دو سہ شعر میگوید با فقیر بسیار آشنا ست سلامت باشد از وست ؎

لیا جن نازنیں تونے مرا دل | خدا جانے ہی اس کو یا ترا دل

مردیست متخلص بہ مشتاق از سلک متوسطین مولدشے شاہجہان آباد است اکثر شعرا و دار اطراف شہر مشہور اند با فقیر در فیض آباد ملاقات شدہ است در احاطہ ایلچ خان مسکن دارد گاہ گاہے در بازار برخورد میشود ظاہرا بہ پیشۂ معلمی جائے قرار دارد عمرش قریب شصت رسیدہ باشد لیکن با این بزرگی بعجز و انکسار پیش می آید نامش از یاد رفتہ است غرض منصف مزاج است چند اشعار او بدست آمدہ بود بطور متوسطین میگوید ؎

نہ لطف نہ کچھ مہر نہ کچھ پیار ہی دیکھا | ظالم سے جو دیکھا سو میں آزار ہی دیکھا
مشتاق کو کیا غم ہے خدا جانے یارو | جب دیکھا اسے ہم نے تو بیمار ہی دیکھا
جو ناز ساتھ آ گئے نازک مزاجیاں تھیں | اب تو وہ رفتہ رفتہ بیداد ہو چلیں ہیں
ہم غریبوں کی اگر تونے نہ کی غمخوارگی | جو رضا تیری پیارے بندگی بیچارگی
نہیں اس قدر دل لگانے کی دہشت | جو کچھ ہم کو ہی اس نہ پانے کی دہشت

ملا تو ہوں تجھسے مرِ یجان لیکن
ابھی دل میں ہے روٹھ جانے کی دہشت

چلے تم میری چشم و دل سی اے سرو روان کیدھر
مکان پیدا کیا ہی د و سرا اے مہر یجان کیدھر

غنیمت جان لے مشتاق یہ رنج و تعب اپنا
جہان دم چل بسا یاں سی تو پھر آہ و فغان کیدھر

پاس خاطر ہم غریبوں کی کہاں منظور ہے
تو تو اپنے حسن میں پے مہربان مغرور ہے

جی میں خطرہ بھی نہیں تیرا گذرتا لطف یار
سینہ و دل حسرتوں سی (ہی) یاں تلک معمور ہی

یارب تاک کہ آشنائی ہی
ہم ہیں اور تیری بیوفائی ہی

اپنی ہم بندگی یہ بھولے تھے
پھر جو دیکھا تو واں خدائی ہی

ردیف النون

ازاحوال سلک متقدمین | ملا نوری از قاضی زادہائے قصبۂ اعظم پور بود با ملا فیضی کمال ربط داشت شعر فارسی میگفت گاہ گاہے ہندی ہم میگفت از تذکرۂ محمد قایم ہمیں یک شعر یافتہ شد قلمی مینماید از وست ؎

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بیچارۂ نوری نہ کری ہے نہ ڈری ہے

ناجی تخلص از نامداران دیار دکھن است بزبان شہر خود دیوان خوبے دارد چون بنا در ریختہ اوّل از زبانِ دکھن است بنا برین صاحب سخنان این فن و معنی شناسان مغز سخن طرز زبان ہر دیار را معیوب مینداشتند و پیروی معانی میکنند حاصل کلام از کلام ناجی بوئے درمندی ہویدا است رحمہ اللہ از وست ؎

مجھکو پرہ سے پیتے ہیں کاہل نکو کرو
یعنی آپکے کی یاد سے غافل نکو کرو

ہم دل دیا تمھن کو بارون کچ ہمیں
دل ہاتھ لو مرا سجھے بیدل نکو کرو

کاٹو جلاؤ راکھ کرو راضی ہیں ہمن
سب کچھ کرو پر ایک کٹھن دل نکو کرو

اوران تری ہیں یار ہمن ہیں ترے غلام
اوران کے ساتھ ناجی کو شامل نکو کرو

سید شجاع الدین دیگر نوری تخلص از سادات بلدهٔ گجرات است نوکری پیشه مدتے بعلاقهٔ روزگار در حیدرآباد بسر برد از بسکه قابلیت داشت و مردم آن دیار در انوقت قابل دست بودند رفته رفته به تعلیم پسر وزیر سلطان ابو الحسن تانا شاه مقرر گشت و عروجے بهم رسانید آخر الامر حاسدان آن دیار او را بجهت وزیرزاده متهم ساختند بیچاره از انجا غربت گزیده در بلدهٔ سرهند استقامت ورزید چندے بسر برده برحمت الٰهی پیوست غفر الله له از وست ؎

نوری اپنے دل کی کسی سے نہ کہہ تھا ۔۔۔ حاصل بھلا اب اس سی دوانے جو تھا سو تھا

از شعرائے قدیم **مرزا علی قلی** ندیم تخلص متوطن شاہجہان آباد مردے بود بکمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ بخوبی میگفت چنانچہ اکثر از مرثیہائے او مشہور اند رحمہ اللہ از وست ؎

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں ۔۔۔ بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال ۔۔۔ مرچکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

از احوال متوسطین

محمد شاکر ناجی تخلص معاصر میاں آبرو اوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را بخندہ می آورد و خود نمیخندید مگر تبسمے میکرد متوطن شاہجہان آباد بود در کلامش رعایت ایہام بسیار داشت کہ رائج الوقت متوسطین بود خدایش بیامرزد از وست ؎

نمکین حسن دیکھ کر چوپی کا ۔۔۔ رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھ موہن تری کمر کی طرف ۔۔۔ پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

رکھیو مت چشم کرم دولت کے اپنے خورد کی ۔۔۔ لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہو گوہر میں آب

تری نگاہ کی گرمی سے اے کماں ابرو ۔۔۔ ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا

پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے ۔۔۔ کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کرو کرم ای دوستاں پھر ہم کہاں اور تم کہاں | نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
آج تو ناجی سجن سے کر لے اپنا عرض حال | جینے مرنے کا نہ کر سو اس ہونا ہو سو ہو
غم نہیں گر دلبری سی دل کو لیجاتا ہے وہ | پاس میری تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہے وہ
تبسم یہ رقیبوں سے خلل ہے | تری بھاویں ہنسی میری اجل ہی
کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے | قیامت کا جو دن سنتے تھی کل ہی
ہوا جب آئینے میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ | جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھا کیا ہے
نرگس کنیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں | دیکھی ہیں میں نے پیاری آخر تمھاری آنکھیں
مجھکو باتوں میں لگا کیا جانئے کیا کہہ گیا | لیچلا جب دل کنیں منہ دیکھتا میں رہگیا
ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا یہ زلف | حیف ناجی کو نپوچھا کس لہر میں بہ گیا
جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے | شمع دہے ہمارا موم کی ناک
نہ سیر باغ نہ ملنا نہ میٹھی باتیں ہیں | یہ دن بہار کے ایجان مفت جاتے ہیں
ہمیں تو بوسہ نہ دیتے کہا نہ کہکے دیا | جنھوں سے وعدہ کیا ہی انھیں چھلتے ہیں
اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں | عارضی میری زندگانی ہی
تجھکو کیوں کر جدا کروں ایجاں | زندگانی بہت پیاری ہے
جان ہے جیوڑا ہے دلبر ہے | پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے
لب جاں بخش آگے تیرے سجن | جو مسیحا کا نام لے خر ہے
ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہی | یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہی
سخن سن اس بت کا فردا کا | جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا
نپوچھو خود بخود ہی عارض خورشید کی خوبی | لیا ہی ذرہ ذرہ حسن مہرویاں سے کر چندا
بلند آوازہ سی گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل | کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نادر تخلص مردے بود در عہد محمد شاہ غفر اللہ و در کوتلہ فیروز شاہ میماند بہ ندرت سخن

میگفت اشعارش کم بہم میرسد مثل مشہور است کہ النادر کالمعدوم فکرش پایۂ سخنش با اُستادان ہمسایہ خدایش بیامرزد از وست ؎

زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہی یہ ۔ ہر گرہ میں اس کی دل ہی گانٹھ کی پوری ہی یہ

دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کی دور نہیں ۔ دِل مِل رہی ہیں چشم کا ملنا ضرور نہیں

لپٹی ہی جا ہی مکھڑے سے خورشید رُو کے زلف ۔ اتنی بڑی ہوئی ہے پہ ذرہ شعور نہیں

میرزا نور اللہ از مردم شاہجہاں آباد بود کہ ہر یک فرنگی بچہ تعشق بہم رسانیدہ آوارہ میگشت یعنی کارش بسودا کشیدہ بود دیگر احوالش معلوم نیست از وست ؎

کبھی تو آ کے مرے دل کے داغ کو دیکھو ۔ یہ یوں جلے ہے کہ جیسے چراغ کو دیکھو

علی نواز خاں مرزا مدد کہ از عمدہ رفقایان عمدۃ الملک بود چنانچہ الحال در ہمیں شہر موجود ند ایں شعر بنام او شنیدہ شد خدایش سلامت دارد ؎

بہار آئی سنی اُڑتی خبر سی ۔ چمن میں آج ہے بلبل کی برسی

خواجہ محمد اکرم المتخلص بہ تراز شاگردانِ میر تقی است فقیر او را ندیدہ ہمیں غزل بنام او شنیدہ چنانچہ بنگارش می آرد از وست ؎

کیا کیجئے غرض صبر کا مقدور نہیں ہی ۔ اک زخم نہیں دل پہ کہ ناسور نہیں ہی

ہر طرح کی باتیں ہیں تری بزم میں پر ایک ۔ افسانہ مرے حال کا مذکور نہیں ہی

آنا ہی تو آ جا مری بالیں پہ وگرنہ ۔ کوئی دم میں سنیے گا کہ رنجور نہیں ہی

کیا پرسشِ احوال جب اک سوختۂ عشق ۔ اس سلطنتِ حسن میں دستور نہیں ہی

نزدیک ہو مرنے کے وفا کشتۂ تراب ۔ ٹک دیکھنے چلئے تو بہت دور نہیں ہی

میر عبد الرسول نثار از نجبائے روزگار و از شعرائے نامدار مردیست سنجیدہ و فہمیدہ اصلش از اکبرآباد است و بزرگانش در عصر قبیح سیر باقتدار بسر می بردند ہ او را در شاہجہاں آباد دیدہ بود و از یاران میر محمد تقی است طبعش و تکلمش مسرت افزا

سلمہ اللہ الحال احوالش معلوم نیست کہ کجا ست ہر جا کہ ہست سلامت باشد از وست

جہی یعقوبؑ یوسفؑ دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہی ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اڑا ہی گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپے ہے خاک و خوں میں
ہی صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن

یاں گل کھلے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
واں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

جی کرتے نثار اُس پہ ڈرتے ہیں کہ وہ شوخ
اس بھی حرکت سے کہیں بیزار نہووے

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کی نکلجاویں گی ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

کیا ہوا ہم بھی جو دنیا میں یہ ناشاد رہی
تو سلامت رہے اور یہ تری بیداد رہے

مَی نہ مینا میں رہی ایسے نہ فانوس میں شمع
شیشۂ دل میں مرے جوں وہ پریزاد رہی

انتہا شوق کا پاؤں تو لکھوں اے قاصد
کہیو کچھ حال زبانی جو تجھے یاد رہی

ہم اُس جفا شعار کے آفت رسیدہ ہیں
پہنچے نہ آسماں کا ستم جس کی گرد کو

از سلک متاخرین | محمد پناہ خاں نثار تخلص جوانیست مؤدب و متواضع
با فقیر بسیار دوستی دارد بیشتر کہ فیض آباد میماند اکثر در فقیر خانہ بروز مشاعرہ می آمد اگرچہ دراں ایام شعر میگفت لیکن گوش دل بر سخنہائے رنگیں داشت ہمراہ نواب بیرم خاں الحال در شاہجہاں آباد مقیم است۔ شنیدہ ام مشق سخن از اصلاح حضرت خواجہ میر درد دام افضالہ مینماید اشعارش مشہور نشدہ است سوائے دو سہ بیت از و بگوش نرسیدہ تو مشق است خوب خواہد گفت

آنکھوں سے لخت دل کو آنسو نکال دے ہے
ھرُدے کو جس طرح سے پانی اُچھال دے ہے

نعیم اللہ المتخلص بہ نعیم از شاگردان میاں محمد حاتم مردیست متوطن شاہجہان آباد میگویند کہ بسیار پر گو دغلط است بندہ اورا ندیدہ است واللہ اعلم، دیوان مختصر دارد، از کلام او چنیں معلوم میشود کہ فکرش سرسری است بعالم اعلیٰ نرسیدہ است

مگر بعضے جستہ جستہ خوب میگویداین غزلش مشہور عالم است ؎

کیا فائدہ جو غیر سے وہ ہمکنار رہے ۔۔۔ ہم سے تو اب تلک وہی دار و مدار ہے
بن دیکھی اُس کے جان نہ دونگا میں اے اجل ۔۔۔ مدت سے مجھ میں اور یہ اُس میں قرار ہے
یہ جور اگر اور یہ بیداد رہے گا ۔۔۔ تو کاہیکو عالم میں کوئی شاد رہے گا
یہ گالیاں وہ دینے کی ترا آنکھیں دکھانا ۔۔۔ مجھکو تو لب گور تلک یاد رہے گا
جان بھی اُدھر گئی جس طرف کو قاتل گیا ۔۔۔ میں بھی جاتا ہوں اُدھر جس سمت میرا دل گیا
گر ہمیں کہے گا ہم بھی کہیں گے کچھ نہ کچھ ۔۔۔ گالیاں دیدی کے غیروں کو بہت تو ہل گیا
آیا نہیں ہے اس کا جو پیغام اب تلک ۔۔۔ اس واسطے نہیں مجھے آرام اب تلک
بلبل تجھے ہے صحبتِ گل اور سیر باغ ۔۔۔ ہم کو وہی قفس ہے وہی دام اب تلک
اپنے ہی کچھ نصیب کا شاید قصور رہے ۔۔۔ ورنہ وہی ہے صبح وہی شام اب تلک
کھبا ہے جب سے ترا یہ جمال آنکھوں میں ۔۔۔ ترا ہی مجھکو رہے ہے خیال آنکھوں میں
خیال کرکے تری مو کمر کو روتا ہوں ۔۔۔ وہ کیوں نہ رو دے پڑے جس کی بال آنکھوں میں
کس سے لگاویں دل کوئی محبوب ہی نہیں ۔۔۔ اور سچ کہو تو کام یہ کچھ خوب ہی نہیں
کبھو دل سے نعیم کو اپنے ۔۔۔ یاد کرتے ہو یار سچ کہیو
گو فرض کیا ہم نے غمخوار بہت ہوں گے ۔۔۔ ہمسا نہ کوئی ہوگا یوں یار بہت ہوں گے
دیکھو آئینہ خانے میں گر تجھکو نہیں باور ۔۔۔ تجھسے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے
شاکی ہے ابھی سے دل تو وعدہ خلافی کا ۔۔۔ ایسے تو کبھی آگے اقرار بہت ہوں گے
ایکدن بھی نہ کیا تو نے گذر حیف ادھر ۔۔۔ ہم ترے واسطے یک عمر سر راہ رہے
ابتو کرتے ہو میاں ہم سے محبت لیکن ۔۔۔ دیکھئے دل کے لئے پر بھی یہی چاہ رہے
حال سنتا ہی نہیں ہے کسی شیدائی کا ۔۔۔ باوجود آپ ہی عاشق ہے وہ زیبائی کا
مجھے جو گور میں بھی یاد وہ گلفام آوے گا ۔۔۔ تو حیراں ہوں وہاں بھی کس طرح آرام آویگا

جو ایسی بیقراری میں خبر اُس کی نہیں لاتا   تو پھر اے نامہ بر کس دن تو میری کام آویگا

میاں امان اللہ معمار المتخلص بہ نثار مردے از مردم شاہجہان آباد است تازہ گو است اکثر الفاظ عمارت را بعبارت کرسی نشین میکند و کار ریختہ و غزل از خوبی در ہر بیت بسر انجام میرساند تا حال در ہماں شہر است ہمیں یک شعر او بگوش خوردہ

غیر دروازہ پہ بیٹھا راہ ہی تکتا رہا   شب کو وہ کوٹھوں ہی کوٹھوں گھر ہمارے آرہا

از موزونانِ جہان محمد عسکری متخلص بہ نالاں متوطن شاہجہان آباد است از تازہ گویان آن دیار ہمانجا مسکن دارد، از شاگردان میاں حاتم ست

تھا منتظر کہ یار کا پیغام آگیا   قاصد تو آج روز مرے کام آگیا

از مردم شرفا و نجبا میر مرتضیٰ اسلمہ اللہ المتخلص بہ ندا متوطن دہلی بسیار متواضع آشنائے درست طبع موزونے دارد و اکثر بوضع خود میگوید سلامت باشد ست

صنم کا طاقِ ابرو دل عبادت گاہ جانے ہی   بڑا کافر ہی بتخانے کو بیت اللہ جانے ہی

ردیف الواو

از سلک متقدمین غفر اللہ لہم درویش خفی وجلی شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی مشہور و معروف مردے بود از خاکِ گجرات بریک صنمے عاشق شدہ در وقت محمد عالمگیر بہ ہندوستان جنت نشان آمدہ در خدمتِ شاہ گلشن قدس اللہ سرہٗ استفادہ حاصل نمودہ از توجہ آن بزرگوار مقبول اعلیٰ و ادنیٰ گردید تعریفش از احاطہ تحریر و تقریر بیرون است بنائے ریختہ را چنیں مستحکم نمود کہ الحال از بلندی طاق سپہر افسر دد چوں دکھنی است اکثر بزبان خود حرف زدہ است ابتدائے ریختہ از دست اول اُستادی ایں فن بنام اوست تیمناً و تبرکاً نقلم می آرد رحمہ اللہ ست

دل کو گر مرتبہ ہو درپن کا   دیکھنا مفت ہے سریجن کا

نپوچھو عشق میں جوش و خروشِ دل کی ماہیت
برنگِ ابر دریا بار ہی رومال عاشق کا

پھر میری خبر لینے وہ صیّاد نہ آیا
شاید کہ اُسے حال مرا یاد نہ آیا

ہمیشہ ہے بہارِ سروِ آزاد
بجا دے دولتِ حسنِ خداداد

جب آیا مست ساقی جام لے کر
گیا یکبارگی آرام لے کر

بجا نوں خط ترا کس بے خطا پر
چلا ہے آج فوجِ شام لے کر

میں اُس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ
جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر

صنم کے لعل پر وقتِ تکلّم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسّم

ندو آزار میرے دل کو اے آرام جاں سمجھو
یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہرباں سمجھو

زندگی جامِ عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں

جوں گل شگفتہ رو ہیں سجن کے چمن میں ہم
جوں شمع سربلند ہیں ہر انجمن میں ہم

اکبار ہنس کے بول سجن ورنہ حشر تک
جوں برق بیقرار رہیں گے کفن میں ہم

سُن کے احوال مرا ناصح مشفق نے ولی
ہاتھ سے ہاتھ ملا درد سے سینا کوٹا

تل میں دل کو ملائے لیتے ہیں
پھر گویا ان تلوں میں تیل نہیں

عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں گلرو سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اکبار مری بات اگر گوش کرے تو
ملنے کو رقیبوں کے فراموش کرے تو

ایجان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

دیکھوں ہوں جسے وہ مبتلا ہی
خوباں کی نگاہ میں بلا ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کہ جاوے

ہی حسن ترا ہمیشہ یکساں
جنت سے بہار کیوں کہ جاوے

غنیمت بوجھ ملنے کو ولی کے
نگاہِ پاکباز اں کیمیا ہی

باغِ ارم سے بہتر موہن تری گلی ہے
ساکن تری گلی کا ہر آن میں ولی ہی

غرورِ حسن نے تجکو کیا ہی اس قدر سرکش | کہ خاطر میں نہ لاوی تو ترے ہاں گر ولی آوی
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اُس کو | کرتی ہی نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی
عالم میں تری ہوش کی تعریف میں کی ہی | ایے تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے
ولی اس گوہرِ کانِ حیا کی کیا کہوں خوبی | مری گھر اس طرح آتا ہی جو سینی میں راز آوے
سجن ولی رہنے کو دنیا میں مکانِ عاشق | کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

ازسلک متوسطین | **محمد واحد** متخلص بہ واحد اوائلِ سلطنت محمد شاہ طفلے بود شیریں میگفت در صغر سن درگذشت متوطن شاہجہاں آباد در محلۂ بیجل مسجد سکونت داشت از متوسطان بود از وست

سورج کی بھانت آئینۂ دل صفا کرے | اک قرصِ نان پر جو کوئی اکتفا کرے

غنچۂ گلستانِ سخن میر ابو الحسن صاحب ہمت المتخلص بہ **وحشت** مردے بود از سلک متوسطین نبیرۂ تیرانداز خاں مرحوم سپاہی پیشہ بعلاقہ نوکری بسر می برد مشق شعر بمشورۂ مرزا رفیع سودا سلمہ اللہ میکرد دو را یامے کہ مشاعرہ در شاہجہاں آباد بخانۂ خان آرزو مقرر بود مدتے شد کہ بقضائے الٰہی فوت شد جوان اہل بود رحمہ اللہ

قاتل اگر کہے کہ سِسکتا ہے چھوڑ دیو | خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑیو
لگتا ہی مجھکوں آج یہ سارا جہاں خراب | شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب
کہیں یہ جھوٹ دیکھا ہی تجھے جب میں بُلاتا ہوں | صریحاً تو چلا جاتا ہی اور کہتا ہے آتا ہوں
ایک جاگہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں | ہی عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں

میر ولایت اللہ خاں حقایق و معارف آگاہ مقبولِ درگاہ اِلٰہ صاحب کمالات واقعیہ و حالاتِ شافیہ مفتخر الاعیان میر ولایت اللہ خاں گوہرِ دریائے سیادت و جوہرِ تیغ شرافت چراغِ بزمِ ہدایت المتخلص بہ **ولایت** ابن میر باقی اصلش از خوست است از مریدانِ حضرت خواجہ جعفر قدس سرہ بندہ در شاہجہاں آباد اکثر آن

بزرگ را بہ مجالسِ فقرا دیدہ در عالمِ پیری رُخش مثل ماہ می درخشید در لباس فقیری شاہانہ معاش مینمود۔ عالم عالم اکرام و احترامش میکردند۔ طبع شریفش مائل تصوف بسیار بود چہ از فارسی وچہ از ریختہ ہمہ بہ تصوف و توحید برطرز خود فرمودہ است عارفی میباید کہ مغز کلامش را دریافت نماید قریب دوازدہ سال شدہ باشد کہ بہ رحمتِ الٰہی پیوست۔ یک رُباعی از و قلمی مینماید مشتے نمونہ از خروارے غفر اللہ لہٗ ازو

در بحرِ محیط غیر پانی کیا ہے ۔۔۔ ظاہر ہے جو کچھ ہے یاں نہانی کیا ہے
گر پیاسا ہے پی، پیئر نہا غوطے مار ۔۔۔ باہر تو بجز خاک فشانی کیا ہے

ازسلکِ متاخرین لالہ نول رائے مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نول رائے المتخلص بہ وفا از تذکرۂ محمد قایم چنان ظاہر گشت کہ جوانے است نوخاستہ بزیور علم و عمل آراستہ ہوش و گوش و فہم و ذکا صاحب حلم و حیا لطافت مزاج از گل زیادہ مانند بلبل دل از دست دادہ۔ برادرِ خردش راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود لیکن این عزیز مصروفِ اکتساب و غریق مطالعۂ کتاب طلب ہر کمال دامنگیر حال طبع در و مند داشت۔ عاشق مزاج بود اکثر فارسی و ریختہ مینماید خدا بر عمرش بیفزاید ازوست

کہے ہی کس سے دل احوال اپنا ۔۔۔ پڑا ہے یاں ہمیں جنجال اپنا
ہووے گا دل سے محو غم یار کب تلک ۔۔۔ کیوں ہمنشیں یہ جائیگا آزار کب تلک
کہنے لگا وہ سن کے مرا نالہ و فغاں ۔۔۔ یارب جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک
کس گل تازہ نے اس باغ میں کی جلوہ گری ۔۔۔ ہم ذرا داغ سے جس کے نہ خبردار ہوئے
پوچھو ہو کیا کہ حال ترا کس طرح سے ہے ۔۔۔ کیا جانتے نہیں ہو میاں جس طرح سے ہے
ہوتے تو دل سہج میں گرفتار ہو گیا ۔۔۔ اب چھوٹنا پہ زلف سے دشوار ہو گیا
دینا تو دل نہ آپ کو منظور تھا و لے ۔۔۔ جب مل گئی یہ آنکھ میں ناچار ہو گیا

کچھ خیریت نظر نہیں آتی مجھے کہ آج　　لگتے ہیں اس کے کان سے اغیار دمبدم
اپنی ہی چشم کے تئیں تاب نظر نہیں　　ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں
حسنِ عمل پہ اپنے نہ بھول اس قدر کہ شیخ　　واں کے معاملے کی کسی کو خبر نہیں
کس تیغِ برق جلوہ کو دیکھا کہ اب تلک　　ان بن ہی التیام سے زخمِ کہن کتیں
الفتِ دل کیا زیادہ ہم سے ہی اغیار کی　　دیکھ ہے لیکن نرالی ہی کچھ اپنے یار کی
آنے کا مرے وہ سن کے چرچا　　نکلا نہ تمام روز گھر سے
دل کو کہیں ہی جی میں گرفتار کیجئے　　یعنی کسی صنم کے تئیں یار کیجئے
گر مانگتا ہے جی کے تئیں دیجئے وفا　　کیا چیز ہے کہ دوست سے انکار کیجئے
رفیق ہر زہ گو ہے دشمنِ جاں　　بلد رہزن کو ہے نالا جرس کا
دکھ نہ دے اس قدر وفا کے تئیں　　آخرش وہ بھی جان رکھتا ہی
اپنی غرض کو ہم تو سبھی دکھ سہیں گے لیک　　ہوتی ہی گالیوں سے تمہاری زباں خراب
بسکہ اپنی انقلابِ بخت سے ڈرتے ہیں ہم　　بسترِ گل پر بھی لرزاں ہیں قدم دھرتے ہیں ہم
کل کا وعدہ کر لیا ہی اس نے اے محرم تو کیا　　یاں تو بیتابی سے دل کی آج ہی (ہی) مرتے ہیں ہم
حالِ دل کیونکے کہوں اس سے وفا غیروں میں　　جی دھڑکتا ہے کہ کوئی پس دیوار نہو
راضی وہ ہوکے رات سیج میں مچل گیا　　عنقا پھنسا تھا دام میں لیکن نکل گیا
میکشوں نے جے میں پایا بھنگیوں نے بھنگ میں　　مل رہا ہی وہ طرح پانی کی ہر ایک رنگ میں
شعلہ زن ہے ہمیشہ داغ اپنا　　بجھ نہیں جانتا چراغ اپنا
یاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام　　آپ کرتا ہوں میں سراغ اپنا
نہ کشتی پار ہی بہ کر گئی اپنی نہ دار آئی　　ہوئے ہیں غرقِ دریا اس گھڑی جب عین منجدھار آئی
ساتھ تجھ سے کی اگر مہر و وفا کی ہم نے　　عفو کر عفو کہ اے شوخ خطا کی ہم نے

میر مبارک علی ولد شاہ قدرت اللہ قدرت پیش پدر خود در مرشدآباد سکونت دارد

ہوئی ہے مشتعل میری دلِ بیتاب میں آتش　　　نہ دیکھی تھی کسی نے اب تلک سیماب میں آتش

میر بہادر علی از یارانِ میاں حسرت المتخلص بہ وحشت سیدزادۂ خوش اوقات نیک صفات جوانِ وضعدار در پیشۂ سپہگری استوار اکثر در تعیناتی بطرفِ گورکھپور بصحبت روزگار بسر میبرد۔ طبع موزونے دارد۔ بافقیر بسیار آشناست۔ بفرمایش یارانِ آن دیار بارہ تا دیگر مانند بکٹ کہانی گفتہ است حقتعالے اسلامت وارداز وست

شب و روز جس کو رویئے کہ عجب و دلیل و نہار تھا　　　کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی ناز تھا کبھی پیار تھا

مرا دل ہوا اشک ٹپک گیا جگر آہ و نالہ سے پک گیا　　　تو نظر سے جوں ہیں سرک گیا ہیں اجل سے وہ دن ہیں چار تھا

رباعی

جب تک کہ کہیں نہ تھا ٹھکانا دل کا　　　دشوار تھا اک قدم بھی جانا دل کا

کوچا ترا دیکھا ہے سو جانے کے لئے　　　اب لحظہ بہ لحظہ ہے بہانا دل کا

شاہ واقف المتخلص بہ واقف عارفِ اسرارِ طریقت و واقفِ رموزِ حقیقت کاشفِ مکاشفات وجدانی سالکِ مراتباتِ وحدانی، اصل ش از شاہجہاں آباد داشت در اوائل کہ مشقِ سخن در عالمِ ہستی دنیا کی داشت بسیار بصفا صرف میز دالحال بسبب فضیلتِ عقاب فکرش بر سپہرِ معانی بلند پرواز شدہ کہ بنظرِ ہیچو ما پست نظراں نمی آید ازانجملہ اینچہ بفہم میر سید قلمی مینماید۔ حقتعالے طائرِ بیانش راچوں ہلال از تیز بالی روز بروز بلند تر گرداند۔ در وقتیکہ بسرکار نواب شجاع الدولہ بہ تہمت نقش نویسی ناحق گرفتار شدہ بود دراں مقدمہ حسبِ حال خود ایں غزل گفتہ

دَور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پھرتے ہیں　　　بیخطا پھرتے ہیں اور اہلِ خطا پھرتے ہیں

تمام غزل ہمیں طور ادا کردہ از ثابت طرزِ کلامش ما نا بطرزِ ناصر علی و جلال اسیر است الحال ازیں فنِ شعر گذشتہ مصروف بخواندن منطق و معانی و رمل و نجوم است خدا با تصرام رساند با فقیر بسیار دوستی دارد سلمہ اللہ

خیالِ وعدہ ترا بسکہ شب نظر میں رہا
تمام رات مرا جی صدائے در میں رہا

جلایا مجھکو مرے ضبطِ آہ نے جوں شمع
اُٹھا جو شعلہ جگر سے تو پھر جگر میں رہا

چمن سے کون باتیں اپنے جانے کی سُناتا ہی
کہ گُل کا ایک رنگ آتا ہی اور اک رنگ جاتا ہی

اشک سے آتشِ دل ہم تو بجھاتے ہی رہے
آہ پر نالے تو اور آگ لگاتے ہی رہے

نقشِ قالی کی طرح سو کے نہ چونکے ہم آہ
ٹھوکروں (کر) سی تو بہت یار جگاتے ہی رہے

کہیو اے بادِ صبا واہ میاں واہ میاں
جی سے جاتے رہی ہم اور تم آتے ہی رہے

مانع ہوئے آنے سے جو مجھکو تری در کے
رو یا سرِ بازار میں سر زانوں پہ دھر کے

جب دیکھئے اس کو یہی حسرت رہی دل میں
جوں نورِ نظر ٹک مری آنکھوں سی نہ سر کے

کوئی علم پہ نازاں ہی کرامات پہ کوئی
اک روسیہ ہم ہیں کہ اِدھر کے نہ اُدھر کے

دیتی ہی نہیں چین مجھے چشم و دل اس بن
بیگانے کا کیا دوش[1] جو دشمن ہوئے گھر کے

صبا کہیو چمن کے عندلیبانِ غزلخواں کو
کرو تم چہچہے ہم دام میں ہو جائیں تداں کو

ڈھلا دن آج کا بھی اور نہ آیا تو تو پھر ہم نے
چراغِ آہ سے روشن کیا شامِ غریباں کو

جنت و سایۂ طوبےٰ نہیں درکار مجھے
بس ہی لے یار ترا سایۂ دیوار مجھے

ہوسِ سیرِ چمن لے تو چلی ہے یاں سے
پر کسی دام میں مت کیجو گرفتار مجھے

کبھی ایسا بھی اے خدا ہوگا
وہ صنم ہم سے آشنا ہوگا

روز و شب مجھکو ہی یہی دھڑکا
نہ ملوگے ملوگے کیا ہوگا

خوبرو ہوکے باوفا ہووے
میں نہ مانوں اگر خدا ہووے

جب کہ یاد آتا ہی گلشن میں مرا گلرو مجھے
خضرِ راہِ بیخودی ہوتی ہی گُل کی بو مجھے

یہ دل پھر آہ مژگانِ بتاں سی بے طرح اٹکا
مجھے جس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مری کھٹکا

وداعِ یار سے دل پر ملال ہی سو ہے
زباں سے گو نہ کہا جی کا حال ہی سو ہی

---

[1] اصل نسخہ میں "دست" لکھا ہی "دوش" ہونا چاہیے

نہ پوچھ حسن سلوک آہ مجھ سے اُس بت کا
وہی ستم وہی ایذا کی چال ہے سو ہے

تم تو شب عدو پر اپنے گھر سے چل کر رہ گئے
صبح ہوتے ہم جوں شمع جل کر رہ گئے

اَن منے ملنے کا اُس کے یاد آتا ہے سماں
اِک قدم رکھا تو دس جا گہہ مچل کر رہ گئے

جب تلک وہ مقابل بت مغرور ہووے
بیتابی دل کوئی طرح دور ہووے

سرگوشی سے جو سامنے کرتا ہے میری بات
ڈرتا ہوں اُسی کا کہیں مذکور ہووے

درد جو بے اختیار ہم سے ہم آغوش ہے
یاد سے واقف تو آج کس کی فراموش ہے

غیر کے جا تو اگر ہم سے بھی لے یار ملے
عکس سے اپنے بھی پھر آنکھ نہ زنہار ملے

سب سے ملتے تو ہو ظاہر میں یہ دھڑکا ہے مجھے (کی)
کہیں مجھ سا نہ کوئی اور گرفتار ملے

واقف سے ملتے جو کوئی ٹوکے تجھے تو کہہ
بھولا ہوں راہ پوچھوں ہوں آیا تھا کام کو

کروں میں شکوہ تیری بیوفائی کا
جہاں میں نام نہ لے کوئی آشنائی کا

ابھی حواس بھی ثابت مجھے نہیں آئے
خدا کے واسطے مت نام لے جدائی کا

صد نالہ جانکاہ گرہ در تہ لب ہے
کیا جانیے کیا آج مرے دل پہ تعب ہے

غرہ ہو قرب کرم یار پہ واقف
اس ابر کے دامن میں نہاں برق غضب ہے

نہ قاصد ہی پہنچ سکتا ہے اب اُن تک نہ گام اپنا
الٰہی مضطرب ہوں کس طرح بھیجوں پیام اپنا

بہت موقوف شکوہ کی وصل پر تھی اس جفاجو کے
کیا سو یک نگہ نے اُس کی قصہ ہی تمام اپنا

وا ہم سے زلف کے پھر دل کو چھڑایا نہ گیا
سر سے اس بخت سیہ کا مرے سایا نہ گیا

اچپلاہٹ سے کہتے ہیں کہ شوخی سے وہ شوخ
میری آنکھوں کے تصور میں سمایا نہ گیا

ہجر جانکاہ کس طرح گزرے
یار بن آہ کس طرح گزرے

تو کہیں میں کہیں بھلا اوقات
اپنی دلخواہ کس طرح گزرے

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آہ پھر انتظار کی ٹھہری

کیا طرح اُس گلی میں کہہ تو صبا
میرے مشت غبار کی ٹھہری

مت بگڑ اُس سے بس کر ای واقف / ابتو دار و مدار کی ٹھہری

روزِ خزاں چمن میں جو دیکھا ہزار کے / اک مشت پر پڑے تھے تلے شاخسار کے

آوارہ ہوکے دل سے شکیب و قرار و صبر / یارب کہاں بسیں گے یہ اُجڑے دیار کے

یارانِ ہمنشین و رفیقانِ دوستدار / سب آشنا ہیں زندگیٔ مستعار کے

جب مند گئی یہ آنکھ تو اے دوست بعد مرگ / پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے

صبا گلشن میں جاوے گی تو یہ کہیو بجو گل سے / تجھے لے بیوفا کیا فائدہ ہے خون بلبل سے

شکیب و طاقت و صبر و توان و دین و دل اپنے / سبھی آوارہ ہوکر اُٹھ گئے تیری تغافل سے

خون آنکھوں سے ہم جو روئے ہیں / تیری مژگاں کے کانٹے بوئے ہیں

جو صنم تجھ سے دل لگاتے ہیں / سو وہ ہم سے خدا کے کھوئے ہیں

کبھی کبھی جو کرم کی نگاہ کرتے ہو / غرض کہ جان مری دل میں راہ کرتے ہو

ہمارا تھوڑے دنوں میں یہ حال پہنچایا / بھلا رقیب سے کیوں کر نباہ کرتے ہو

یہ کون ڈھب ہے کہ واقف سے ہیں نہیں واقف / وہی نہ جس پہ کرم کی نگاہ کرتے ہو

میں تو گیا تھا سونپ کے دل کو وفا کے ہاتھ / لے آہ چھڑ[1] گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ

جب ہم سے قول وعدۂ دیدار کا ہو ذکر / مارے ہی میری ہاتھ پہ تب منہ چھپا کے ہاتھ

کہوں کیا اُس کو وعدے کی حقیقت پوچھتے کیا ہو / وہی شام و سحر ہے اور وہی امروز فردا ہے

توقع زندگی کی دوستاں رکھیئے گا کم ہم سے / کہ جوں نقشِ قدم چھٹتا نہیں کوئی صنم ہم سے

ہے جس کی خرمی سے زندگانی اپنی وابستہ / خفا رہتا ہے سو ساعت بساعت دمبدم ہم سے

پیار کی باتوں سوا ہم بھی تو رہ سکتے نہیں / دل میں آتا ہے کہ کچھ کہیئے پہ کہہ سکتے نہیں

ہر آن ہم سے کیوں ہے عبث بدگمان تو / اپنا سا اور کو نہ سمجھ میری جان تو

اک روز کی جدائی میں مرتے ہیں یا نہیں / یکبار یہ بھی کر لے مرا امتحان تو

---

[1] چڑھ گیا ہونا چاہیئے

کیا کیا کہا تھا کیونکے لیا تھا ہمارا نام
قاصد خدا کے واسطے پھر کر بیان تو

نپوچھو فتنہ برپا ہی کو میری سرو قامت کی
اُٹھا مجلس سے وہ اور اہل مجلس پر قیامت کی

یہ دل پھر آہ مژگان بتاں سے بی طرح اٹکا
مجھے جس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مرے کھٹکا

نہ آیا پھر نظر جیسے - گیا جوں عمر رفتہ تو
بنارس کی ہیں گلیوں میں بہت بھولا بہت بھٹکا

جگر میں آہ ہے آنکھوں میں نم ہے
خدا جانے یہ کس کا تازہ غم ہے

ان رقیبوں سی گئے گزری ہیں کیا اے یار ہم
وہ شریک بزم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم

جو صنم خاطر نہ رکھے عاشق رنجور کی
ایسے ملنے سے بھلی صاحب سلامت دور کی

مژگاں تری ادھر کی کدھر پھر کے رو کریں
اب کس کے دل میں دیکھیے ناخن فرو کریں

ہر چند وہ جمال ہی آنکھوں کے سامھنے
لیکن کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

تیری نگہ لطف سے وابستہ ہیں یاں ہم
جوں عکس ذرا پھیرتے ہیں رو کے کہاں ہم

گہ اُٹھتے گہے بیٹھتے نا طاقتیوں سے
جوں سایہ جہاں تو گیا اے دوست وہاں ہم

دیار عشق میں ٹک دیکھ تو کیا ہی ستم واقف
کریں ہیں متہم اُس سی نہیں ہیں جس سی ہم واقف

محمد وارث الہ آبادی المتخلص بہ وارث، فقیر او را ندیدہ بعضے از یاران آں دیار شنیدہ کہ مرد لیست طالب علم ریختہ و فارسی میگوید طبع موزونے دارد بجائے تخلص کہ وارث است اکثر با لفظ تداخو درا یاد میکند یعنی وارثا در ہر مقطع می آرد، از سبب بُعد و کم شہرتی اشعارش بگوش نخوردہ اینچہ میسر آمد نوشتہ شد حالا در شہر خود یعنی بہ الہ آباد مقیم است سلامت باشد از دست ؎

بتا تو ہاں مرے ظالم مثال نقش قدم
تری گلی میں کوئی گر کے پھر اُٹھا بھی ہے

الٰہی خیر ہو قاصد تو جلد آتا ہے
ہمارے خط کا جواب اُس نی کچھ لکھا بھی ہے

ہم کو تو رند کہتے ہو پر آپ شیخ جی
کیا کچھ شکار کرتے ہو ڈاڑھی کی آڑ میں

وارث چھٹے ہے کب طپش عشق مجھ سینے
پیوست ہو گئی ہے مری ہاڑ ہاڑ میں

خوبی کلام از کلام ظاہر است احتیاج شرح و بیان نیست ؎

اک عمر تجھے چاہیئے اس سیر کو وارث
عالم کا تماشا جو ہیں اک آن میں دیکھا

غنچۂ گلشن کیاست و فہم میر محمد علی المتخلص بہ وہم جوانے است بسیار اہل و اہل دل خوش وضع، نیک خصال، فرزند ارجمند میر تقی المتخلص بہ خیال کہ بفرمایش فردوس آرامگاہ قصۂ بوستان خیال گفتہ است بست و سہ جلد دارد۔ القصہ تمام عمر دراں قصہ صرف نمود کارے کردہ است کہ مقدور بشر نیست۔ چوں تخلص پدرش خیال بود بنا برین تخلص خود وہم کردہ است۔ از سبب فکر روزگار کم بایں طرف راغب میشود۔ در انتخاب موزون اشعار ذہنے و شعورے خوب دارد۔ چوں از یاران بندہ است تعریف او بزبان خود گفتن خوشنما نیست بر ہمہ ظاہر است خدا سلامتش دارد از وست ؎

خدا ہی دوستو حافظ ہے اب مرے دل کا
ہوا ہے دشمن جاں یار بے سبب دل کا

کچھ اس سے تو متعرض ہو کہ آنے کا
تری گلی میں یوہیں پڑ گیا ہے ڈھب دل کا

جا کہے اُس سے اتنا اب کوئی
ہے ترے غم سے جاں بلب کوئی

صبر و ہوش و قرار و تاب و تواں
چل بسے رفتہ رفتہ سب کوئی

مرتے ہیں تب جو پاتے ہیں آرام
نہیں مرتا ہے بے سبب کوئی

حرف الہا

از سلک متقدمین | غفر اللہ لہم ہاشم تخلص در دکھن شاعری گزشتہ او رہست

دکھن اور ہند دلبر ہیں سوں سبحاں اب اچھے
کہ مکھڑے چاندسی پر جن کی خط کی پیچ و تاب اچھے

ہاتف تخلص نیز از دکھن است او راست ؎

تری انکھیاں اور زلف سی کا فر ہوا سارا جہاں
اسلام اور تقویٰ کہاں زہد اور مسلمانی کہاں

از احوال متوسطین | سید ہدایت علی خاں صوبہ عظیم آباد ابتدای سلطنت محمد شاہ

غفر اللہ ہدایت تخلص می نمود یک شعر از وبگوش خوردہ رحمہ اللہ ؎

ہرگز یہ میری عشق کا سر فاش نہوتا
کرتا نہ اگر آکے میرا پردہ دری رنگ

میر ہینگا شخصے از نجبائے دہلی بود بر شخصے تعشق داشت پایش مادر زاد لنگ میکرد طبع موزونے داشت گاہ گاہے دو سہ بیت میگفت۔ از منشا ہیر خود حاسدان رقیبان بجرم عشق وی را کشتند۔ یک رباعی از وبگوش خوردہ خدایش مغفرت کناد از وست ؎

میری ایذا سے منہ نہ موڑا دل نے
شیشہ مری زندگی کا توڑا دل نے
کام اُس بُت سنگدل سے ڈالا مجھکو
مارا آخر مجھے نہ چھوڑا دل نے

از متاخرین میاں ہدایت اللہ شمع انجمن فصاحت و بلاغت المتخلص بہ ہدایت مردیست متواضع و مؤدب، مثل و محاورہ بند عالی طبع و دردمند، شاعر دلپذیر سخن سنج بے نظیر، اصل وے از شاہجہان آباد است در ططرہ حضرت خواجہ میر درد چندے ہمراہ ستذنبہ رائے بیدل تخلص کہ شاعر فارسی گو بود در بنارس اوده بسر بردہ در تعریف بنارس مثنوی خوبی گفتہ حالا در خدمت خواجہ میر درد گوشہ نشینی اختیار کردہ بسر میبرد۔ خدایش سلامت دارد از وست ؎

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی تو کوئی زور ہی شہد اشکستہ ہے

یاد کرتی ہے زلف کی ہے قہر
پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیری تئیں اے شب وصال
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

بھلا بتا تو مری جان کچھ ہدایت نے
تمہاری جور سے شکوہ کبھی کیا ہوگا

مگر یہی کہ بے اختیار ہو کے کبھی
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تم تو فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

آئینہ سا ہے مکھ ترا روشن
چشم بد دور چشم ما روشن

اے ہدایت شب جوانی کا ۔ کچھ ہوا تجھ پہ ماجرا روشن
صبح پیری نمود ہوئی تیری ۔ چل مسافر کہ دن ہوا روشن
موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیری دید ہے ۔ مل گئی جس دن گلی تیری اُسی دن عید ہے
خدا جانے صنم آوے نہ آوے ۔ بھروسا کیا ہے دم آوے نہ آوے
غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن ۔ پھر اپنا یہاں قدم آوے نہ آوے
باتیں اشارتوں ہی سے کرتی ہیں انکھڑیاں ۔ بیمار ہیں نہیں انھیں طاقت جواب کی
گویا کہ تیری ہجر میں مَیں مرگیا ہوں رات ۔ تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

رباعی

کوچے میں تیرے جو آن کر بیٹھ گئے ۔ یہاں تک روئے کہ چشم تر بیٹھ گئے
جس طرف کو تو نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا ۔ مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے
جی تو کرتا نہیں کو چے سے تری جانے کو ۔ گر تری اس میں خوشی ہی تو بھلا جاتا ہوں

مرزا محمد المتخلص بہ ہاتف شخصے است در شاہجہان آباد در عالم درویشی شغل شعر در رباعی بسر می بُرد۔ اکثر مخمس تضمین میکند۔ ہمیں یک شعر از و بگوش خوردہ ؎

مت پوچھ ہمنشیں کہ جہاں میں کہاں رہے ۔ دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیاء

از سلک متقدمین الحکیم یونس از قدیم ست احوالش معلوم نیست ؎

ہی معطر اب تلک صحرا تمام ۔ اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا جب سے جگا یا تھا مجھے ۔ بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

ایں شعر ہم از قدیم است معلوم نیست کہ از کیست معانیٔ پر پیچ دارد ؎

توحید عشق کی ہوں اثبات کو نہ پوچھو باقی رہا فنا سے جس نے جپی ہے مالا
یعنی لفظ ما و لا ہر دو نفی است و نفی نفی اثبات می شود۔

احوال متوسطین مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ درگلشن بہار سخن آب و رنگ و درچمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفیٰ قلی خاں المتخلص بہ یکرنگ مرد عمدہ بود در عہد فردوس آرامگاہ نبیرہ خان جہاں لودھی در سلک ملازمان بادشاہی منسلک بود معاصر میاں آبرو خدایش بیامرزد از وست ؎

ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو یہی گویا سلام ہے تیرا
اس قدر کیا ہی حمایت غیر کی ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا
خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا
مجھے مت بوجھ پیاری اپنا دشمن کوئی دشمن بھی ہوا ہے اپنی جاں کا
اگر آوے میرے گھر وہ پیارا کروں اُس ماہ کو پتلی کا تارا
بڑا دشمن ہوا وہ شوخ یکرنگ کیا کیوں عشق میں نے آشکارا
حق کہے جو کوئی سو مارا جائے راستی ہیگی دار کی صورت
وصل اور ہجر اُس صنم کا مجھ پہ یکساں ہو گیا درد میرا ہی مجھے آخر کو درماں ہو گیا
مجھکو اس دل سے توقع تھی مدد کی وقت پر تیر خوباں کا تو وہ یکرنگ پیکاں ہو گیا
بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے رہا ہی روٹھ دن دو چار یکرنگ
کیوں تیغ کھینچتے ہو میاں ہم میں دم نہیں پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے
چاہتا تھا کہ کہے عشق کی باتیں یکرنگ کیا کرے ہائے اُسے طاقت گفتار نہیں
برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا شاید کبھو تو جا لگی اُس دلربا کے ہاتھ

کیا جانئے وصال ترا ہو کسے نصیب　　　ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے
نہ تو ملنے کے قابل اب رہا ہی　　　نہ اپنا وہ دماغ و دل رہا ہی
مت تلوّن اس میں سمجھو آپ سا　　　مصطفیٰ خاں عاشقِ یکرنگ ہی
سُنتا نہیں تو بات کسی ہی کی اے سجن　　　تیرا غرور تجھکو نہ جانوں کریگا کیا
زبانِ شکر ہی ہندی کا ہر پات　　　رکھے ہی خوب ر وظاہر کرامات
خیالِ چشم و ابرو کرکے تیرا　　　کوئی مسجد گیا کوئی خرابات
عبث تو بکسی پر اپنی کیوں ہر وقت روتا ہی　　　نکر غم اے دیوانے عشق میں ایسا بھی ہوتا ہی

چند بیت در مرثیہ امام علیہ السلام خوب گفتہ است وآں اینست ؎

زخمی برنگ گُل ہیں شہیدانِ کربلا　　　گلزار کی نمط ہی بیابان کربلا
کھائی چلا ہی زخم ستم شامیوں کے ہاتھ　　　دھو ہاتھ زندگی سے لی مہمان کربلا
اندھیر ہی جہان میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ　　　ہی سر بُریدہ شمع شبستان کربلا

یکرو تخلص مردے بود از شاگردان میاں آبرو لیکن فکرش عالی معلوم میشود ہمیں یک شعر ازو شنیدہ ام ؎

ہیں دل پہ میری داغ ترے ہجر کے لئے　　　گنتی میں جن کی عمر مری سب بسر گئی

میر عزت اللہ یکدل تخلص سید عالی نسب بود عاشق سخن اکثر با شعرا دوستی داشت شعر کم میگفت بیشتر فکرِ مدح و منقبت ائمۂ اطہار صلوات اللہ الملک الغفار بشوق و ذوق تمام نظم می نمود چنانچہ ایں منقبت مشہور از دست خدا ایش سلامت دارد ؎

تو گلِ باغِ انّما کی قسم　　　سرو گلزار ھل اتیٰ کی قسم
میر میدان لا فتیٰ کی قسم　　　میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
دل فدا ہوں مجھے خدا کی قسم

میر احمد محبوب روزگار و یار طرح دار میر احمد المتخلص به یار ولد شاه الله یار متوطن شاهجهان آباد جوانے بود بکمال وجاهت و ملاحت که یوسف ثانی توان گفت دراں زمان عالم، عالم فریفتهٔ رخ نیکو و آشفتهٔ زلف او بود. در وقت احمد شاه هنگامهٔ حسن او گرم بود. ایں همه شعرائے متوسطین مانند پروانهٔ دل خود را بر شعلهٔ حسنش می سوختند. و او نیز با اینها صحبت میداشت اکثر اصلاح سخن از میر محمد تقی سلمه الله می گرفت. طبع موزونے داشت گاه گاهے دو سه بیت میگفت. از کتب عربی تا شرح ملا خوانده بود. میر ضیا سلمه الله با و نظر الفت داشتند چنانچه تا حال هر وقت که یاد او میکنند میگریند غرض که در عین جوانی از جهان فانی درگذشت رحمه الله

اس چمن میں ناتواں میں سب کے اوپر بار تھا — خوش رہو اے بلبل و گل تم کہ میں ہی خار تھا
جائے سنگِ لوحِ تربت نصب کیجو آئینہ — تا کوئی جانے کہ یہ حسرت کشِ دیدار تھا
آفریں اے دستِ گستاخِ محبت آفریں — یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا

انعام الله خاں شاعر دردمند و حزیں انعام الله خاں متخلص به یقین ولد اظهر الدین خاں جوانے بود در عهد محمد شاه غفر الله له از تلامذهٔ مرزا مظهر جان جاناں اصلش از شاهجهان آباد است بسیار نازک مزاج و میرزا منش بود. صاحب دیوانست از بسکه اشتهار دارد محتاج تعریف نیست. میر تقی در تذکرهٔ خود نوشته است که مشهور چنین است که میرزا مظهر تمام دیوان گفته داده است خود موزون نیست مرا یقین نبود لیکن میرزا رفیع سودا و میر سوز سلمهما الله گواهی دادند که روزے مایان در خانه انعام الله خاں رفته برائے امتحان عربی طرح نمودیم هر چند مبالغه کردیم یک مصرع موزوں نکرد ذائقهٔ سخن فهمی هم نداشت. والله اعلم. باشد ما را ازیں چه کار. متاع نیک هر دوکان که باشد. اشعارش بسیار نمکین و موثر اند سخن او خالی از دردمندی نیست. میگویند پدرش بیگناه او را کشت و پاره پاره کرده در دریا انداخت سببش

چنیں معلوم شد کہ پدرش تعلق خاطر با دختر خود داشت نعوذ باللہ واو ازیں چیزہا ممانعت میکرد برائے انتفائے ایں حرکت او را شہید کرد اکثر چنیں شہادت میدہند خدا بہتر میداند ایں چند اشعار انتخاب کردہ قلمی می نماید از وست ؎

ہو ترے داغ سے پرسینۂ سوزاں میرا — اب و رنگ آگ سے رکھتا ہی گلستاں میرا
رد اگر دیجئے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں — آئینہ سے بھی گیا یہ دلِ حیراں میرا
کبھو یہ تھا کہ ہم پردہ بتِ مغرور رو دیتا — بُرا جب دیکھتا حالِ دلِ رنجور رو دیتا
اگر مر کر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا — خدا جانے وفا میری کی حق میں کیا گماں کرتا
رہا میں بے خبر افسوس لذت سے اسیری کی — جو میں یہ جانتا کنجِ قفس میں آشیاں کرتا
اُس کو جب خشم و رضا میرا برابر ہو گیا — حیف مضمون روٹھنے کا بھی مکرر ہو گیا
کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامی کا بند — برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

عجب اتفاق است کہ ایں شعر توارد شد با شعر آنند رام مخلص کہ ہم عصر او بود معلوم نیست کہ ایں معنی در اصل از کیست ؎

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل — بند قبائی کیست کہ وا میکنیم ما

یقین

اس قدر غرق لہو میں یہ دلِ زار نہ تھا — جب حنا سے تری پاؤں کو سروکار نہ تھا
دل میں زاہد کی جو جنت کی ہوا آئی ہی ہوس — کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا
اُس گل سی کچھ حجاب ہمیں درمیاں نہ تھا — جس دن کہ یہ بہار نہ تھی گلستاں نہ تھا
دام و قفس سے چھوٹ کے پہنچے جو باغ تک — دیکھا تو اس زمیں میں چمن میں نشاں نہ تھا
اتنا جہاں میں کوئی کبھی بیوفا نہ تھا — ملتے ہی تیری مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
جو کچھ کہے ہیں تجھکو یقیں ہے سزا تری — بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدا نہ تھا
ہمارا شور سُن مجنوں کو بھولی طرح نالی کی — کوئی شیریں کی منہ پہ ذی سجا سکتا ہی کیا قدرت

بتاں کی مجھ سی خاطر جمع ہی یہاں تک کہ کہتی ہیں
کہاں اس دام سی یہ صید جا سکتا ہی کیا قدرت

عاشق او رمعشوق عالم کی سند کرتے ہیں سب
تجھ سی خونخواری کی طرز او رمجھ سی غمخواری کی طرح

کیا مری مژگان تر کی ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل کی طرح اُمڈے ہیں یہ برسیں گز در

خال گوری منہ کا لیتا ہی مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

اب جو اُڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ سوجھی اپنی بال و پر کی قدر

دل ہمیں لیکر چلا تھا اپنے جانے کی خبر
پھر نہ دی آکر کسی نے اُس دوانے کی خبر

بلبلیں ہیہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف
کچھ تو اُڑتی سی سنی ہی گل کے آنے کی خبر

سچ کہو اے بلبلو کس باغ سے آتی ہو تم
کچھ بھی ہی تم کو ہمارے آشیانے کی خبر

آج اس لطف کی دیکھی ہی میں بیداد کہ بس
سر پہ آیا مرے اس طور سے جلاد کہ بس

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
ہم ہوئے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دیوانا ہوتا
آج جس طرح کا دیکھا ہی پریزاد کہ بس

سحر کی ڈوری جو سنتے تھے سو یہ دیکھی یقیں
دل کھچا جاتا ہی اُس زلف پریشاں کی طرف

ناصح سے غم نے مجھکو کیا شرمسار حیف
سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف

جاتی نہیں وہ بے مزگی ہجر کی یقیں
کچھ وصل کے نشہ سے نہ کھویا خمار حیف

جلتی بلتوں سی نہ جل ان تیلیا کپڑوں کے ساتھ
جی دھڑکتا ہی مبادا لگ اُٹھے دامن کو آگ

چمن میں مجھ سی دیوانے کے لیجانے کا کیا حاصل
دکھا کر گل جنوں کو شور پر لانے کا کیا حاصل

جنھیں بالوں کی پھانسی دی سو وہ پھر گز نہیں جیتے
جو زلفوں میں پھنسا دل اُس کے غم کھانے کا کیا حاصل

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اُس کو کہتے ہیں
پھر اُٹھنا دو باغوں کا قیامت اُس کو کہتے ہیں

ہوئی جا یار شیریں کوہکن کے بعد خسرو کے
وہ کیا تھا زخم تیشہ کا جراحت اس کو کہتے ہیں

یقیں مارا گیا جرم محبت پر نہ ہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سعادت اس کو کہتے ہیں

کوئی دن چلنے پھرنے دیں عبث زنجیر کرتے ہیں
دیوانا مجھ سا کب جیتا ہی کیوں تدبیر کرتے ہیں

اس طرح صیاد کب آزاد کرتا ہی تمہیں
بلبلو دھومیں مچالو یہ گلستاں پھر کہاں

کرتا ہی کوئی یار دو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانا اب کھولدو زنجیریں

نہ گزرا ہوگا کوئی مجھ سا زنگیں باؤلے پن میں
گریباں آپڑا ہی پھٹکے گل کی طرح دامن میں

یقیں ہی جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانا باولا سا کوئی گلخن میں

شکوہ جفا کا یار سے کرنا روا نہیں
بندوں کو اعتراض خدا پر روا نہیں

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھکو کسی چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میری من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہی داغ دل کو
کیا عیش کر گیا ہی ظالم دیوانہ پن میں

ہم تو حاضر ہیں عشق یار کہاں
خار و خس جمع ہے شرار کہاں

باغباں در نہ بند کر آخر
ہم کہاں تو کہاں بہار کہاں

اسیران چمن کی نامرادی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

مُنہ اپنا نہ دیکھا ہو جائے گا دیوانہ
آئینہ کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

کچھ عمر نہیں باقی ساقی تو شتاب آجا
ڈرتا ہوں چھلک جاوی لبریز ہے پیمانہ

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھکو بیخوابی کی ساتھ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہی بیتابی کے ساتھ

مفت نہیں لیتی وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بی قدر ہی یہ جنس نایابی کے ساتھ

گئی شب بھول شکوے دیکھ روئے یار کیا کہیے
زباں حیرت سے اپنی ہو گئی بیکار کیا کہیے

یقیں کر واقعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا
یہ دیوانا کچھ اتنا تو نہ تھا بیمار کیا کہیے

زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

دل چھوڑ گیا مجھکو دلبر سے توقع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہیے

اگرچہ عشق میں آفت ہی اور بلا بھی ہی
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جاوے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہی کچھ جلا بھی نہیں

یہ آرزو ہی کہ اس بیوفا سے تو پوچھوں
کہ میرے بیمزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

خبر کیا پوچھے مرغِ چمن سی آشیانے کی
اسیروں کو توقع کب ہی پھر گلشن کو جانے کی

گئی پکڑی شروعِ گل میں اور پروازِ اوّل میں
نہ دی فرصت زمانے نے ہوس بھر چہچہانے کی

یہ لذت جس نے اپنے یار سے پائی ہو سو جانے
نشے میں گالیاں کھانے کی اور پیالی پلانے کی

مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی آخر لے کے چھوڑے گی گرفتاری مجھے

میں جو بن غمخوار ہرگز رہ نہ سکتا تھا کبھی
ان دنوں کرنی پڑی ہے دل کی غمخواری مجھے

رفیقانِ موافق ساتھ زنداں بھی گلستاں ہے
ہوا ہے دام ہم کو آشیاں آپس کی الفت سے

عبث پالی تھی سینے بیچ آہِ بے اثر ہم نے
یہ کیوں اس خاک میں بویا تھا نخلِ زندگی ہم نے

نہ روئے ہجر میں پر وصل کے دن یہ چلے آنسو
اسی دن کے لیے رکھے تھے گویا یہ گہر ہم نے

گئی یہ کہہ کے آنے سے خزاں کے پیشتر بلبل
پھر ان آنکھوں سے کیوں کر دیکھ سکنے کو چمن خالی

خوش آئی ہے مجھی یہ بات ٹک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم کرتے گریباں سے

جو سر پاؤں پہ دھر دیجے تو راضی ہوں بتاں ہم سے
ولیکن ہائے ہو سکتی ہے یہ جرأت کہاں ہم سے

جو چھپ کر دیکھتی گل کو تو کب صبا دو واقف تھا
ہمارے آہ و نالے نے چھڑایا آشیاں ہم سے

یارا اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گذر
منزلِ مقصود ہی دونوں جہانوں سے پرے

جب کہ معشوق عاشق دلربائی کیا کرے
بندگی ہی جس نے خو کی ہو خدائی کیا کرے

وصل کی گرمی سی مجھکو ضعف آتا ہی یقیں
دیکھیے مجھ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

معاوضے میں وفا کی جو یہ جفا ہووے
کہو کسی سے کوئی کیوں کہ آشنا ہووے

یہ سب تو کرتے ہیں دعوائے عشق یار کبھو
جو آزمانے پہ آوے تو کیا مزا ہووے

ٹک ایک انصاف کر اتنی بھی کرتا ہی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

گزر جا وصل سے گر ہجر میں دیکھی رضا اس کی
محبت میں یقیں لیتا ہے نام مدعا کوئی

حرم کو چھوڑ دل بے طرح بتخانہ پہ چلتا ہی — توقع یار رہنے کی نہیں اُس کو خدا رکھے
خدا مجھے ترے داغوں سے لالہ زار کرے — یہ خارِ خشک مگر آگ سے بہار کرے
قیامت آپ پر اُس قدسی لا چکی ہم تو — کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے

از سلک متاخرین | از خوبانِ جہاں و از موزونانِ زماں خان عالیشان حسن علیخاں ولد زین العابدین خاں نبیرۂ نواب اسلام خاں بن عقیدت خاں ابن نواب امیر خاں کلاں نعمت آلہی جوانیست بسیار خلیق و باغر با شفیق قدردان و قدرشناس المتخلص بہ یاس اکثر مشورہ سخن با میان حسرت دارد ہنوز نومشق است اگر طبیعش بایں فن راغب شد خوب خواہد گفت در ینولا مائل خواندن عربی است خوشا بحالش کہ عمر عزیز خود را بدیں نحو صرف نماید۔ از متوسلانِ مراتبہ نواب عالیہ است ایں چند اشعار بطریق یادگار بقلم می آید ؎

عشق نے تیری مجھے خلق میں تشہیر کیا — میری اُلفت نے تری دل میں نہ تاثیر کیا
جی تلک دی کے خفا یہ تو نہ ہوتا ہر گز — تو نے کیا جانئے کیوں یاس کو دلگیر کیا
تو آپ ہی[1] سن رہیگا جو کچھ گذرا ہجر میں — خدا وہ روز نہ لاوے تری جُدائی کا
کسی کو ہجر میں رونا کسی کو وصل میں عیش — میں کیا کہوں ہی تماشا عجب خدائی کا
شیریں نے پائی کب یہ حلاوت سخن کے بیچ — جو بات لطف دیتی ہی اُس کے دہن کے بیچ
ہوتا ہی جا غریب کوئی اور شہر میں — آوارہ میں تو پھرتا ہوں اپنے وطن کے بیچ

---

[1] دونوں نسخوں میں یوں ہی ہے۔ اگر آپ ہی مصرعہ کے آخر میں ہو تو موزوں ہو جائے گا

منظورِ قتل ہی تو سمجھے کیا درنگ ہی — یہ ہیں یہ تو یہ تیغ یہ تیر و خدنگ ہی
وہ دن گئی کہ جان و دل آپس میں تھی خوشی — اب یہ خفا ہی اُس سی یہ اس سے بتنگ ہی
بولی ٹھٹھولی غیر سے ہم کو سُنا سُنا — ظالم بھلا ستانے کا یہ کوئی ڈھنگ ہی
لطف و کرم سے پاس بُلا نا تو اک طرف — احوال پوچھنے سے مرے اس کو ننگ ہی
دیکھیں فلک وہ دَور دکھائیگا یا نہیں — اس دل میں وصل یار کی کیا کیا اُمنگ ہی
چھوٹے وہ درد و غم سے جو جی سی گزر گئے — تیری شبِ فراق میں ہم کیوں نہ مر گئے
گو جی گیا پہ دیکھ لیا تجھکو اِک نگاہ — منظور تھا جو اپنے تئیں کام کر گئے
ہرگز نہ کام نکلا کچھ دیر او حرم سے — آخر ہمارا مقصد حاصل ہوا تو ہم سے
مجھکو یقین ہو چکا تیرا وہ دل رہا نہیں — اتنا نہ ناز کر صنم بندے کا کیا خدا نہیں
میں نے کہا کہ میری طرف تو اِدھر کو کر نگاہ — کہنے لگا تو کون ہی تجھ سے میں آشنا نہیں
گلِ نرگس میں بھیجوں ہوں یعنے — چشم تیرے ہی انتظار میں ہی

——— ❊ ———

القمر - قوانین حرکت وسکون اور نظام شمسی کی صراحت اور چاند کے متعلق جتنے جدید انکشافات ہوئے ہیں اُن سب کو جمع کردیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے قیمت ۸ر

تاریخ تمدن - سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے الف سے بے تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے۔ ہر بحث کے لئے ایک عجیب مگر پُرزور اصول اختیار کیا گیا ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی انتقاد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ بمبئی میں سرکاری لائبریریوں کے لئے تجویز کی گئی۔ قیمت حصہ اول غیر مجلد عصہ۸ر حصہ دوم مجلد عہ۸ر

فلسفۂ جذبات - کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے متعلمان نفسیات اسے نہایت مفید پائینگے۔ قیمت مجلد عہ۸ر

مقدمات الطبیعات - یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلی کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے۔ اس میں مظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم وفضل کا مرقع ہے متعلمان سائنس اور عام شائقین کے لئے بہت مفید ہے قیمت عصہ۸ر

البیرونی - کمالات ذہنی میں ابوریحان بیرونی کا مرتبہ تعریف سے مستغنی ہے دسویں صدی کا فاضل ہے مگر تبحر علمی اور دقیق النظری میں بیسویں صدی کا محقق معلوم ہوتا ہے ہندوستان آیا اور ہندوستان کے فلسفہ تاریخ اور مذہب ومعاشرت پر ایک بے مثل کتاب لکھی۔ البیرونی اس کے حالات زندگی اور کمالات علمی پر مشتمل ہے قیمت مجلد عہ۸ر

فلسفۂ اجتماع - تالیف ہے اور اس کا موضوع نفس اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال وقوائے دماغی کی تحلیل وتشریح ہے موجودہ انقلابات میں اس کا مطالعہ دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہوگا اس پر انگلستان وہند کے علما واخبارات نے اچھے اچھے ریویو لکھے ہیں قیمت عہ۸ر

قاعدہ و کلید قاعدہ۔ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا
ڈائرکٹر تعلیمات بمبئی نے اپنے صوبہ کے گورنر سے تحریک کی کہ اس قاعدہ کو نصاب میں
داخل کیا جائے جس اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہیئے۔ ان کی تشریح کے
ایک کلید بھی تیار کی ہے۔ قیمت قاعدہ ۲ر کلید قاعدہ ۴ر

دریائے لطافت۔ ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہے اُردو صر
اور محاورات و الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب
نکات درج ہیں قیمت عہ ۴ر

طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب ہے تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم
ہیں انگریزی اور اُردو دان دونوں کے لئے یکساں طور مفید ہے کتاب کے آخر میں انگ
مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے قیمت عہ ۸ر

مشاہیر یونان و روم۔ پلوٹارک لائوز کا ترجمہ ہے سیرت نگاری اور انشا پرداز
میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے ادیبان عالم
شیکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے وطن پرستی و بے نفسی، عزم جوانمردی
مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ لبریز ہے ہماری قوم کے ہر نوجوان کے ہاتھ میں اس کا
نسخہ ضرور ہونا چاہیئے۔ دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔
جلد اول غیر مجلد قیمت " " عہ ۸ر جلد دوم مجلد قیمت " " عہ ۸ر

اسباق نحو۔ دو حصے ملک کے ادیب کامل مولانا مولوی حمید الدین صاحب بی اے کی
سے ہیں۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج عربی خوا
کے لئے نادر تحفے ہیں قیمت فی رسالہ ۴ر

ان سب کتابوں کے ملنے کا پتہ

معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

Date	No.	Date	No.